حصہ اول

روح لطیف

منظوم اردو ترجمہ

دیوان شاہ عبداللطیف

مترجم

رشید احمد لاشاری

آر۔ ایچ۔ احمد اینڈ برادرز تاجران کتب
[illegible] بازار حیدرآباد سندھ

N.J. Merani

روح لطیف

منظوم اردو ترجمہ

دیوان شاہ عبدُاللطیف

حصہ اوّل

از

رشید احمد لاشاری

اِنتساب

بنام نامی اِسمِ گرامی فخرِ وطن سلطانِ سخن جناب قبلہ مخدوم محمد زمان صاحب طالب المولیٰ سجادہ نشین بارگاہ سروریہ حضرت مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ ہالا شریف سندھ جن کی ذاتِ بابرکات سندھی ادب کیلئے سرچشمہ حیات اور خضرِ مبین ثابت ہوئی ہے، اَدام اللہ فیوضہٗ۔

رشید لاشاری

☆

بار اول ایک ہزار

اکتوبر ۱۹۵۴ء

☆

پرنٹرز و پبلشرز

آر۔ ایچ۔ احمد اینڈ برادرس تاجران کتب
شاہی بازار حیدرآباد سندھ نے محبوب پریس حیدرآباد سندھ
میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت

فہرست مضامین سوانحعمری

☆

تمہید

صوبۂ سندھ کی سیاسی اور سرمایہ داری چالبازیاں نہ صرف سندھ کے غریب کسانوں اور مزدوروں کی بربادی تک محدود ہیں بلکہ اُن کے تاثرات علم و ادب پر بھی حاوی ہیں۔ چند مغرب زدہ اِقتدار پسند سطحی مطالعے کے ادیبوں نے ادب میں بھی غاصبانہ کارروائیوں کی بنا پر اپنی اِجارہ داری قائم کر رکھی ہے اُن کا ادبی سرمایہ غریب و مفلس اُدبا و شعراء کے دل و دماغ کے خون پر مبنی ہے اور بذاتِ خود ایک حرف تک لکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ ان کا اکثر ادبی مفاد صرف خویش پروری اور چند خوشامدی ادیبوں کے لئے مخصوص ہے اور کسی مفلس و خوددار ادیب کے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی زندگی بھر کی ادبی کاوشوں کو یا تو کسی بڑے آدمی کے نام مفت شائع کرائے یا انھیں چند داموں پر کسی ڈگریوں کے مالک کی نذر کر دے۔ ہم اس معاملہ میں سندھی ادبی بورڈ کا پُرجوش خیر مقدم کرتے ہیں جس نے ہر ایک سندھی ادیب کو اپنے واجبی حقوق دلانے میں نیا مساوی قدم اٹھا کر سندھی ادب کے مُردہ قالب میں ایک

بھی نہیں جانتے اور شاید انھیں کسی کے جاننے کی ضرورت ہی نہیں۔

ان حالات کے تحت کب ممکن ہو سکتا ہے کہ سندھی ادب اُردو میں منتقل ہوئے اور اردو زبان پورے سندھ میں مادری زبان کی حیثیت حاصل کرے یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا حالات کی بنا پر میں نے اپنے تاثرات کا اظہار درج ذیل نظم میں کیا ہے۔

(١)

ذرا فکر و توجہ سے سُن اے دلدادۂ اُردو!
تری منزل سے کوسوں دور ہے اب جادۂ اُردو
چھلکنے کو ہے ہر بزمِ ادب میں بادۂ اُردو
خدارا اب تو آنکھیں کھول اے افتادۂ اُردو
کہیں ایسا نہ ہو قومی زباں ہاتھوں سے کھو بیٹھیں
زباں بندی سے اپنے چھوڑ کر غیروں کے ہو بیٹھیں

(٢)

یہ وہ اُردو ہے جو اہل عرب سے سندھ میں آئی
بڑھی ملتان میں اور پرورش لاہور میں پائی
اسے تقدیر دِلّی سے اٹھا کر لکھنؤ لائی
غرض مشرق سے مغرب تک ہوئے سب اسکے شیدائی
یہی تو شان اُردو ہے کہ اس کو سب سے اُلفت ہے
نہ پنجابی کی دشمن ہے نہ سندھی سے عداوت ہے

نئی جان پیدا کر دی ہے۔

قیامِ پاکستان سے چند سال پہلے مولوی ہدایت اللہ نے شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مجموعۂ کلام کا منظوم ترجمہ فارسی زبان میں کیا تھا لیکن مفلسی و کسمپرسی کے باوجود اُن کی خودداری نے یہ گوارا نہ کیا کہ اِس بے نظیر ادبی شاہکار کو کسی ادبی لیٹرے کی نذر کر دے۔ آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ ٹھٹھہ (سندھ) کی کسی مسجد میں جبکہ وہ ایک کونے میں اپنی آئندہ پریشانیوں کا خواب دیکھ رہے تھے کسی ادبی چور نے اس ادب کی بے بہا دولت کو چرا کر اُسے ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔ اس صدمۂ جانکاہ کا اُن کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ چند دنوں میں خود بھی ابدی نیند سو گئے۔

ان حالات کے پیشِ نظر ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ سندھ کے مفلس و قلاش ادیب اس اعتراض کا جواب کیا دے سکتے ہیں کہ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے دیوان کا اب تک کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیوں نہیں ہوا؟ اور یہ غیر فانی شاعر اور اُس کا چھوڑا ہوا روحانی خزانہ اہلِ علم کی زبان تک کیوں نہیں آیا؟ ہم صرف سندھ کے ادبی لیٹروں کا رونا نہیں روتے بلکہ اُن اردو والے احباب کی تنگ دلی اور بے توجہی کا بھی افسوس ہوتا ہے جنھوں نے آج تک پاکستان کی قومی زبان اُردو کو فروغ دینے کے لئے سندھی زبان سیکھ کر سندھی ادب کو اردو میں منتقل نہیں کیا۔ اگر کسی غریب سندھی ادیب نے اپنی اردو تصنیفات وغیرہ کے متعلق کسی ادیبِ اردو سے رائے طلب کی تو انھوں نے خط کا جواب تک نہیں دیا۔ درحقیقت وہ صرف کراچی کے برسرِ اقتدار سندھی ادیبوں کے بغیر

بڑھی ہندوستاں میں جبکہ آب و تاب سے اُردو
کہا یاروں نے اُن سے برملا "پنجاب میں اردو"

(۶)

اگر سندھی نہ سیکھیں گے تو کام اپنا بگاڑیں گے
زمینِ سندھ میں اردو کے گلشن کو اجاڑیں گے
حسد کے فیل بن کر نعشِ الفت کو لتاڑیں گے
حقیقت ہے یہ آگے بیخ ملت کی اُکھاڑیں گے
بنائیں سندھیوں کو ہم زباں سندھی زباں سیکھیں
سکھائیں اُن کو اُردو اُن کا انداز بیاں سیکھیں

(۷)

نہیں تم سے ہوا جو کام وہ ہم کر دکھائیں گے
زمینِ سندھ میں اردو زباں کے گیت گائیں گے
زبانِ سندھی و اردو کے دامن کو بچائیں گے
ہم اِن بچھڑی ہوئی بہنوں کو آپس میں ملائیں گے
زباں سندھی ہے جسکی کھوج اُردو کا بھی پاتا ہے
بھلا یہ فخر کم ہے کہ رشید اُردو پڑھاتا ہے

ر اللہ ہم شاہ عبداللطیف بھٹائی کے دیوان کا منظوم ترجمہ قسطوں
یں شائع کر کے دنیا کو ثابت کر دکھائیں گے کہ صداقت پسند غریب اور

(۳)

بہت سندھی بھی اُردو کو کلیجے سے لگاتے ہیں
اِسے پڑھتے ہیں لکھتے ہیں اِسی میں گنگناتے ہیں
جہاں ہو محفلِ اُردو وہاں کھنچ کھنچ کے جاتے ہیں
وہ اربابِ سخن کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتے ہیں
مگر بعضوں کو سندھی بعضوں کو اردو سے نفرت ہے
کہاں کی یہ صداقت ہے کہاں کی یہ مروّت ہے

(۴)

"نہیں سنتے یہ سندھی ہے" یہ کہکر غل مچاتے ہیں
اگر سُن بھی لیا تو داد بے جا دیتے جاتے ہیں
مکرر کہہ کے ہنس ہنس کر مذاق اُسکا اڑاتے ہیں
ہزار اچھا وہ کہہ جائے مگر وہ منہ چڑاتے ہیں
خدا کی شان اُردو کے بھی خواہوں سے بدظن ہیں
نہیں یہ حامیٔ اردو مگر اُردو کے دشمن ہیں

(۵)

کیا ان کے تعصب نے حسد کے جال کو پیدا
زمینِ ہند میں ہندی کے استقلال کو پیدا
"فقط ہم ہیں" کے دعویٰ سے فسادِ حال کو پیدا
خدا پھر کیوں نہ کرتا حضرتِ اقبال کو پیدا

سوانح لطیف

مفلس ادیب کسی ادبی بورڈ یا کمیٹیوں کی امداد کے بغیر بھی اپنے مقصد میں
ہو سکتے ہیں،

"وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ"

رشید احمد لاشاری
مدرس شعبۂ سندھی و اردو ٹریننگ کالج فار
حیدرآباد سندھ

۷ راگست ۱۹۵۷ء

شاہ صاحب کا حسب نسب

کسی فرد کے کردار کی تعمیر میں جہاں اس کے گرد و پیش کے ماحول کا اچھا یا برا اثر
ہے وہیں اسکو اپنے اجداد سے بہت کچھ وراثتاً بھی ملتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ بعض
اولیاء کے گھر میں شیطان اور شیطان کے گھر میں ولی بھی پیدا ہو جاتے ہیں لیکن
کلیہ نہیں، اسطرح کی مثالیں مستثنیات میں شمار کی جاتی ہیں بعض ماہرین نفسیات
ہے کہ نسلی خصوصیات سو نسلوں تک دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایسی صورت میں جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ علمی خاندانوں میں علمی افراد اور بدکرداروں کے خاندان
کردار عموماً پیدا ہوتے ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اگر ہم شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی خاندانی
خصوصیات پر نظر کریں اور دیکھیں کہ آپ کے خاندان کے افراد کس قسم کی زندگی گذارتے رہے
اگر آپ کا شجرۂ نسب دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ آپ کا سلسلہ حضرت امام حسینؓ
بالفاظ دیگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے۔ آپ کے اجداد عرب سے
چلے آئے تھے اور سید امیر علی شاہ ان میں سے ایک تھے امیر تیمور کے زمانہ
عزت حاصل کی۔ اس سلسلہ میں دیارام سگما کے مصنف نے فارسی کے
نسخہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

جب امیر تیمور ہرات میں دو لاکھ باسٹھ ہزار تین سو بارہ سپاہیوں
کے ساتھ ہرات آیا تو سید میر علی شاہ جو اسوقت شہر کے سب سے بڑے رئیس
تھے بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ فوج کو دعوت

کر رہے تھے کہ کسی مہلک مرض سے انتقال فرماگئے اور ہرات ہی میں آپ کا
مدفن ہے۔ اور ہالہ میں بی بی سلطانہ سے میر علی پیدا ہوئے۔ جوان ہو کر آپ کی
اور انگوٹھی لے کر اپنے ہراتی خادمہ کیساتھ ہرات تشریف لے گئے اور جائیداد کا
دعویٰ کیا۔ ان کے بھائیوں نے جب انگوٹھی۔ خنجر اور خادمہ کی مدد سے یہ یقین کر لیا
کہ واقعی ان کے بھائی ہیں تو انہوں نے اپنی جائیداد کا ایک تہائی میر علی شاہ کو دیدیا۔

اس طرح سے شاہ صاحب کا خاندان سندھ میں آباد ہوا۔ شاہ صاحب کے
والد سید حبیب اللہ شاہ یا شاہ حبیب ولد عبدالقدوس شاہ ولد جمال شاہ ولد
عبدالکریم شاہ جو بلڑی کے شاہ کریم کے نام سے موسوم ہیں۔ اور جو اپنے وقت کے
ولی کامل تھے ہالہ حویلی میں رہتے تھے۔ بعد میں شاہ حبیب قریب کے ایک گاؤں
کوٹڑی میں اقامت پذیر ہو گئے۔ شاہ حبیب ایک عالم باعمل اور صاحب بصیرت تھے۔

تحفۃ الکرام کے صاحب نے لکھا ہے کہ آپ یادِ خدا میں اسقدر مشغول و مستغرق
رہتے تھے کہ آپ کو کبھی کبھی خود اپنی سدھ بدھ بھی نہیں رہتی تھی۔

شاہ صاحب کے والد نے دو شادیاں کیں۔ شاہ صاحب کی والدہ دیالو شاہ
کی صاحبزادی تھیں۔ دیالو شاہ ہالہ رہتے تھے۔ آپ مخدوم عربی کے نام سے بھی مشہور
تھے۔ کیونکہ آپ عربی النسل تھے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ دیالو خاندان کا نام
ہے۔ اور کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ چونکہ آپ پر اکثر جذب کی کیفیت رہتی تھی
اس لئے آپکو "دیوانو" کہا جاتا تھا اور دیالو اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے بہر صورت اس سے یہ ضرور
اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ مخدوم عربی معروف بہ دیالو شاہ سندھ کے بزرگوں میں سے تھے۔ اس
سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے بزرگی اور ولایت کے وارث تھے۔

دینا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں فی کس ایک روپیہ کے حساب سے دو لاکھ
باسٹھ ہزار تین سو بارہ روپیہ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے بادشاہ
اس خطیر رقم کے ہدیہ سے بہت متاثر ہوا اور خوش ہو کر اُسے قبول کر لیا، اس
کے صلہ میں سید امیر علیشاہ کو اس نے خطابات شاہانہ سے سرفراز کیا"

امیر تیمور نے میر علی کے دو لڑکوں کو سندھ کے دو صوبوں کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ میر عبدالرزاق والئِ سکھر اور میر ابوبکر والئِ سیوَن۔ میر علی کے چھوٹے لڑکے حیدر شاہ اپنے بھائی میر عبدالرزاق اور میر ابوبکر سے میر علی کی اجازت سے ملنے آئے۔ ہالا میں وہ دریا خاں کے صاحبزادے شاہ محمد ہالا کے مہمان ہوئے۔ گورنر سندھ نے شاہ محمدؒ پر ۵۲۵ روپیہ جرمانہ کر دیا تھا۔ حیدر شاہ نے اپنے میزبان کی پریشانی محسوس کر کے جرمانہ کی رقم اپنی جیب سے ادا کر دی۔ امیر شاہ محمدؒ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ بی بی سے ان کا نکاح کر دیا۔ چونکہ فاطمہ حیدر شاہ کی والدہ کا نام نامی تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی بیوی کا نام بی بی سلطانہ رکھا۔ کچھ دنوں تک ہالا میں قیام کرنے کے بعد اپنے والد کے انتقال کی خبر پاکر ہرات چلے گئے۔ جاتے وقت انہوں نے اپنی بیوی کو ایک انگوٹھی اور اپنا خنجر نشانی کے طور پر دیا۔ جب وہ سندھ تشریف لائے تھے تو ان کے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی۔ اس ملازمہ کو بی بی سلطانہ کی دیکھ بھال کے لیے یہیں چھوڑ گئے۔ حیدر شاہ کو یہ معلوم تھا کہ ان کے گھر بیا ہونے والا ہے اس لیے انہوں نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر لڑکا ہو تو ان کے والد کے نام پر اسکا نام بھی میر علی رکھا جائے اگر لڑکی ہو تو والدہ کے نام پر فاطمہ۔ حیدر شاہ ہرات جاکر کچھ ایسے مشغول ہوئے کہ دو سال تک واپس نہ آسکے۔ وہاں ان کی پہلی بیوی سے دو صاحبزادے سید محمد اور سید حسن پیدا ہوئے آپ واپسی کا ارادہ

ضلیت افراد ہی کو حاصل ہے ۔

سب سے پہلے والدین کی شخصیت آتی ہے ۔ ان کا ذکر اوپر آچکا ہے شاہ صاحب
دگی پر والدین کی شخصیت کا نہایت خوش گوار اثر پڑا ۔ اس سے پتہ چلتا ہے
پ پر کسی قسم کی بے جا سختی نہ تھی ۔ اس کے بعد بھائی بہن کا اثر فرد کے کردار
تا ہے ۔ شاہ کی کسی بہن کا ذکر ان کے کسی تذکرہ میں نہیں آیا ۔ ہاں ان کے ایک
ی سید جمال شاہ کا نام ضرور دکھائی دیتا ہے ۔ کہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ
مرنج سیدھے سادے گھر گرہستی کے آدمی تھے ان کی زندگی کا بلا واسطہ یا
سطہ شاہ صاحب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ شاہ صاحب کا کوئی ایسا استاد نہ تھا
کو صرف استاد کہا جائے اور اس سے شاہ صاحب برابری کا دعویٰ نہ کر سکیں ۔
ور محمدؒ صاحب بھٹی کے ۔ نور محمدؒ صاحب قوم کے بھٹی تھے ۔ اور بھٹ سے قریباً بارہ[12]
اور اوڈیرو لال سے چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں وائی تھا آپ وہیں کے رہنے
ے تھے آپ وائی میں آبڑا قوم کے لوگ رہتے ہیں ۔ نور محمدؒ صاحب بھٹی کی علمی
ت کے متعلق کچھ زیادہ پتہ نہیں چلتا ۔ لیکن حالات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا
کہ آپ اپنے وقت میں بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لئے مشہور تھے اور اس
ہر ۔ ورنہ شاہ حبیب جیسا عالم اپنے بچے کو کیوں بھیجتا ۔ آخوند نور محمدؒ بھٹی
لاوہ شاہ صاحب کی ملاقات سندھ کے اکثر اہل علم اور صاحب دل حضرات
ہوئی ان کی حیثیت عموماً دوست کی رہی ۔

شاہ صاحب کی تاریخ پیدائش ۱۶۸۹ء اور وفات ۱۷۵۲ء سے
چلتا ہے کہ آپ کا زمانہ بارھویں صدی ہجری مطابق سترھویں واٹھارھویں

شاہ صاحب کے اساتذہ اور ساتھی

وراثت ان خام اشیاء کو مہیا کرتی ہے جن سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے اور یہ کہ وہ شخصیت آخر میں کیا ہوگی اور وہ خام اشیاء کس طرح ڈھالی جائیں گی ماحول پر منحصر ہے۔ اگر اچھا سامان اچھے ہاتھوں میں پڑ جائے تو مال اچھا تیار ہوگا۔ لیکن خراب سامان پر کتنی ہی توجہ اور محنت کیوں نہ صرف کی جائے اس سے اوّل درجے کا مال نہیں تیار ہو سکتا۔"

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اجداد کا جہاں تک تعلق ہے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ آپ کے بزرگ صاحب دل، اہل بصیرت اور عالم تھے۔ اسی طرح وہ خام اشیاء جن سے آپ کی شخصیت کی تعمیر ہوئی تھی معیاری تھیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شاہ نچہ جو خام اشیاء سے شخصیت اور کردار ڈھالتا ہے کیا تھا بہ الفاظ دیگر ان کا ماحول کیا تھا اور اس نے آپ پر کیا اثر ڈالا؟

ماحول کوئی غیر مرئی چیز نہیں۔ اس سے خاص طور پر گرد و پیش کے وہ افراد مراد ہوتے ہیں جو کسی فرد پر اپنا اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ماحول صرف افراد پر ختم نہیں ہوتا اس میں آب و ہوا۔ فرد کے گرد و پیش کی سیاسی، مذہبی، اخلاقی۔ معاشی، ثقافتی حالات بھی شامل ہیں تاہم اس تعمیری عمل میں اوّلیت

اے مجبور و ناتوان (تو اپنی نارسائی سے مایوس نہ ہو) تو
ونچے اونچے پہاڑوں کو دیکھ کر ممکن ہے اپنی رفتار کو سست
دے لیکن) اے سسوئی بلوچوں کی آگ جو تیرے سامنے جل
ہی ہے تو اس سے راستہ پوچھ اور آگے بڑھتی جا -

تیرا وہ پریتم (جو تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے) اور جس کے آنے کی
کوئی امید نہیں - تو اس کے آنے کی توقع اپنے دل سے نہ نکال
دل کہ تیرا دوست تیری آنکھوں کے سامنے ہے تو اسے دور نہ کہہ -

شاہ عنایت اللہ صاحب کی شخصیت کا اندازہ ان کی زندگی کے
یک ورق کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے -

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عنایت اللہ شاہ صاحب
اپنے وقت کے زبردست عالم باعمل تھے آپ شرح محمدی پر سختی سے پابند
تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ذرا بھی دریغ نہ کرتے
تھے - اسی زمانہ میں یہاں کلہوڑا خاندان کی حکومت تھی - حاکم وقت
یار محمد کلہوڑہ تھا - یہ خاندان سہروردی سلسلے سے ارادت رکھتا
تھا - اسی پیری کی وجہ سے اس خاندان کو طاقت حاصل ہوئی اور
اپنے مریدوں کی وجہ سے حکومت حاصل کر لی - یہی وجہ تھی کہ
کسی پیر کی بڑھتی ہوئی طاقت ان سے دیکھی نہ جاتی تھی - ایک طرف
یار محمد کلہوڑا سخت ظالم اور جابر تھا اور دوسری طرف
وہ جو سلسلہ سہروردیہ سے متعلق ہونے کے شرع کا پابند نہ تھا

صدی عیسوی میں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان عوام بیدار ہو رہے تھے مغل شاہنشاہیت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہی تھی۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں علم و عمل کے سوتے پھوٹ چلے تھے۔ ملک کا کوئی حصہ نہ تھا جہاں کوئی نہ کوئی جید عالم پیدا نہ ہوا ہو۔ سندھ پر بھی اس عام رو کا اثر تھا۔ چنانچہ یہاں بھی اس زمانے میں ایسے علماء کثرت سے پیدا ہوئے جن کی نظیر اس وقت نہیں مل سکتی۔ شاہ بھی ان میں سے بہتوں سے ملے اور ان سے فیض حاصل کیا۔

شاہ عنایت اللہ صاحب جھوک والے کا ذکر انھیں علماء میں آتا ہے شاہ عبداللطیف کی عمر اس وقت اکتیس ۳۱ برس کی تھی کہا جاتا ہے کہ عنایت اللہ شاہ صاحب نے شاہ صاحب کو یہ پیغام بھیجا۔

" اونچے اونچے پہاڑوں کے دروں سے گذرنے کے بعد ممکن ہے کہ تیری رفتار سست پڑ جائے (کیوں کہ) وہ عورتیں جن کو واقعی محبت تھی (اور خود وصال محبوب کے لئے بے چین تھیں) ان پہاڑوں کا نام سنکر (ہمت ہار بیٹھیں) آگے نہ بڑھ سکیں اور واپس لوٹ گئیں۔ (تاہم) تو اپنے دوست (پنو) کے گلے میں حقیقت کا ہار بردکر ڈال۔ عنایت کہتا ہے کہ وہ آریچہ (پنو) تجھ سے جلد آملے گا۔

اس کے جواب میں شاہ عبداللطیف صاحب بھٹائی نے یہ گذارش کی۔

آخری عمر میں شاہ صاحب نے خواجہ محمد زمان صاحب سے ملاقات کی خواجہ صاحب موضع لواری تحصیل بدین ضلع حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ آپ نے ۱۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ جب شاہ صاحب خواجہ صاحب سے ملے اس وقت شاہ صاحب کی پیری کا زمانہ تھا اور خواجہ صاحب ابھی جوان تھے۔ اس کے علاوہ خواجہ صاحب شاہ صاحب کے مرید خواجہ محمد صادق نقشبندی ٹھٹھوی کے شاگرد تھے۔ اس کم عمری کے باوجود آپ نے ایک عالم اور عارف کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر لی تھی لوگ دور دور سے آتے اور آپ کے آستانہ سے اپنی بے چین روحوں کے لئے سکون و اطمینان حاصل کر کے واپس جاتے تھے۔ شاہ صاحب نے بھی یہ شہرت سنی اپنے محبوب کی ملاقات کے لئے اس قدر بے چین تھے کہ یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے عمر میں کم ہے یا زیادہ۔ ان کو تو حضوری حق کی تلاش تھی وہ کسی سے ملے اور کہیں بھی ملے اس کا سوال ہی ان کے یہاں پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس ضعیفی کے زمانہ میں آپنے بھٹ شاہ سے لواری کا سفر کیا۔ جب شاہ صاحب لواری پہونچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ خواجہ محمد زماں صاحب اپنے حجرہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنی آمد کی اطلاع کرائی اس پر شاہ کو اطلاع ملی کہ خواجہ صاحب خود استقبال کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سنکر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ اس وقت خواجہ صاحب کیا کر رہے ہیں۔ مقربین نے جواب دیا کہ آپ خاموش بیٹھے ہیں - اس پر شاہ صاحب نے فرمایا

اور تیسری طرف اُسنے شاہ عنایت اللہ صاحب کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اِن حالات سے مجبور ہو کر عنایت شاہ نے اعلان جہاد کر دیا۔ جب میاں یار محمد کلہوڑا نے اپنی دال گلتی نہ دیکھی تو شہنشاہ دہلی فرخ سیر کے پاس کمک کی درخواست بھیجی فرخ سیر نے کمک بھیجی اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ شاہ صاحب کا سر دلی دربار نشان فتح و نصرت کے طور پر بھیجا جائے۔ میاں یار محمد کلہوڑو نے اس تازہ دم فوج کے ساتھ شاہ عنایت اللہ کے وطن مالوف جھوک کا محاصرہ کر لیا آخر آپ کو شکست دیکر شہید کیا۔ جب آپ کا سر کاٹا گیا تو اس بے جان سر سے یہ آواز آئی (واللہ اعلم بالصواب)

رہا نیدی مرا از قید ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

آپ کا مقبرہ جھوک ہی میں ہے، بعد میں ظالموں کو اپنے کئے پر سخت افسوس و ندامت ہوئی۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

شاہ عبداللطیف بھٹائی پر ان کی زندگی سے زیادہ ان کی شہادت کا اثر ہوا۔ چنانچہ سر رام کلی میں آپ نے آٹھ اشعار عنایت اللہ شاہ کی شہادت سے متاثر ہو کر لکھے ہیں۔

ی زحمت کے اپنے دوست کے بھید تجھ پر ظاہر کر دیں گے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کے خلوص کا اثر خواجہ صاحب پر تا ہے اور وہ ان کو تلقین کرتے ہیں کہ جب تک تجھ کو یہ معلوم نہ ہو جائے اسوائے خدا کے تمام چیزیں "نیست" کے مرادف ہیں اس وقت تو تعلقات دنیوی نہیں کر سکتا اور جب تو دنیا کے تمام تعلقات ع کرے گا تو جوگی (یعنی میں) تجھ پر معرفت کے سارے دروازے دے گا۔ اس موقع پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اپنی بی کی طرف سے مایوس ہیں۔ کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ تقدیر کا ٹا یا نہیں جا سکتا اور وہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ چنانچہ وہ ہ صاحب کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"اے سہیلیوں کسی کے سہاگ کے لیے قلم پہلے ہی چل چکا ہے
یہ تحریر پہلے ہی لکھی جا چکی ہے وہاں کسی کا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا۔
اب میں کس سے جا کر فریاد کروں کہ دوست نے میرے ساتھ
یہ کیا۔

کا جواب خواجہ صاحب نے تشفی بخش دیا۔ (اور کہا کہ)

تو ان کے پاس جا کر بیٹھ جن کے ہاتھ میں قلم ہے جو پہلی تحریر
دوسری تحریر لکھتے ہیں اور (صرف) وہ ورق پڑھاتے ہیں
ہے دوست کو دیکھا جا سکتا ہے"۔

ان اشعار میں خواجہ صاحب کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ

کہ یہ مشغلہ تو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ آخر کب تک انتظار کیا جا سکتا ہے اس لئے ہم خود اندر چلتے ہیں۔ شاہ صاحب نے حجرہ میں داخل ہو کر پہلے اسلامی طریق پر خواجہ صاحب کو سلام کیا اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

سوامی فیقر (خود شاہ) کسی منزل کی فکر میں (تلاش حق) عازم سفر ہوئے۔

جو اپنا سر جھکائے (مراقبہ میں) بیٹھے ہیں میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا" شاہ صاحب کو جب دل کی کوئی بات کہنی ہوتی تھی تو وہ عموماً اپنا مافی الضمیر اشعار میں ادا کرتے تھے اس موقع پر چونکہ ان کے دل سے لگی تھی کہ وہ کسی طرح معرفت حق کے بلند ترین مقام پر پہونچ جائیں اس لئے ان کی زبان سے شعر ہی نکلا۔ اس شعر میں شاہ صاحب نے خواجہ صاحب سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے میں یوں ہی اتنے لمبے سفر پر چل کھڑا ہوں۔ میری منزل معرفت الہٰی ہے اور وہ جو اکثر ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول میری رہبری کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی وجہ سے میں ان پر جان دیتا ہوں!

اس پر خواجہ صاحب نے مندرجہ ذیل شعر سے اپنی حاضر جوابی کا ثبوت دیا۔ ؎

تو نیست ہے اور نیست ہی رہیگا
جا نیستی کی تلاش ..... کہ

اللہ اللہ کہہ اور دنیا سے ترک تعلقات کر لے اس کے بعد سوامی"

گذشتہ مرید شومی تا ر اہے نمایم ۔خستہ شد رفت ۔گفتم مرشد بود یانہ؟
ر مود ندذکر قلبی بود شش کہ امروز شمار است"

ترجمہ :۔ لوگ سید عبداللطیف بھٹائی کی بہت تعریف کرتے ہیں ۔جواب
یا کہ یہاں بھی آئے تھے اور (ہم سے راہ حق کی) طلب کی) ہم نے اس سے کہا کہ
ر تعلقات دنیوی سے کنارہ کر لیا ہو تو مرید ہو جاؤ تاکہ ہم تم کو (صحیح) راستہ
کھائیں اس پر وہ خفا ہو کر لوٹ گئے ۔ اس پر میں نے پوچھا کہ مرشد تھے یا نہیں
فرمایا کہ ذکر قلبی کے عامل تھے جس کی وجہ سے آج بھی ان کا شمار (بزرگوں میں)
ہے ۔

ان عبارتوں سے یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب لواری سے
خفا ہو کر لوٹ آئے اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نے وسعت
نظر سے کام نہ لیکر آپ کو اچھے انداز سے نہیں یاد کیا ۔ اب شاہ صاحب کی
فراخ دلی ملاحظہ فرمائیے کہ جب کبھی بھی خواجہ صاحب کا تذکرہ ان کی محفل میں
آجاتا تو بے ساختہ یہ شعر پڑھنے لگتے

" اے ماں میں نے ان کو دیکھا جنھوں نے دوست کو دیکھا
میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا "

اہل بصیرت و یقین اکثر تقدیریں بدل دیا کرتے ہیں تم ان کی صحبت بیٹھ کر تو دیکھو آخر مایوس کیوں ہوتے ہو وہ تمہیں ایسی راہیں دکھا دیں گے کہ تم دولت معرفت سے مالا مال ہو جاؤ گے۔

ان اشعار کے بعد شاہ صاحب نے خواجہ صاحب سے دریافت کیا کہ فنا کے بعد کیا ہوگا۔ اس جواب میں خواجہ صاحب نے سوال کیا کہ فنا سے پہلے بھی کچھ تھا۔ یہاں پر گفتگو ختم ہو گئی۔ اور شاہ صاحب بغیر ان کے ہاتھ پر بیعت کئے بھٹ شاہ چلے آئے۔

روایت ہے کہ خواجہ صاحب نے شاہ صاحب سے اصرار کیا کہ سماع کو ترک کر دیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ ان کی رہبری کر سکتے ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ نغمہ میری روح کی غذا ہے اور یہی میری ترقی کا ضامن اس لئے میں اسے ترک نہیں کر سکتا۔ مزید اصرار پر شاہ صاحب برافروختہ ہو کر بھٹ شاہ واپس تشریف لے آئے اور دوبارہ جانے کی زحمت گوارا نہ فرمائی۔

خواجہ محمد زماں صاحب کے خلیفہ ابراہیم ساند نے اپنی کتاب رسالۂ ابراہیم فقیر (قلمی نسخہ) میں شاہ صاحب سے متعلق خواجہ صاحب کی رائے اور مرید نہ ہونے کا سبب لکھا ہے۔ عبارت درج ذیل ہے۔

"سید عبداللطیف بھٹائی را بسیار تعریف می کنند۔ جواب فرمودند کہ دریں جا ہم آمدہ بود و طلب کرد گفتیم اگر سلسلہ خلق

شاہ صاحب جس مکان میں پیدا ہوئے تھے اس میں بعد میں لطیفؒ کے
رگ لونگ فقیر رہتے تھے۔ آپ سمیجہ قوم کے ایک فرد تھے آپ کا مقبرہ
یرکے قریب اب بھی موجود ہے۔ لونگ سیر کو "لوڑھے والا" فقیر بھی کہتے
لوڑھے کے سندھی معنی باڑھ کے ہیں۔ چوں کہ آپ کے مکان کے چاروں
کانٹوں کی باڑھ تھی اسی وجہ سے لوگ آپ کو لوڑھے والا فقیر کہتے تھے
۔ آپ نے سندھ کے اکثر مقامات پر مسجدیں اور کنوئیں بنوائے چنانچہ شاہ
حبیب کے مکانوں کو بھی مسجد میں منتقل کر دیا اور وہیں پر ایک کنواں بھی بنوادیا
اور کنواں نہر نصیر واہ کے کنارے ہیں۔

ابھی شاہ عبداللطیف صاحب کم عمر ہی تھے کہ شاہ حبیب کوٹری مغل
ین لے آئے۔ کوٹری مغل بھی ہالا تعلقہ میں بھٹ شاہ سے تقریباً دس میل
صلہ پر تھا۔ اب یہاں بھی بجز چند کھنڈروں اور قدیم عمارتوں کی بنیادوں
نات کے کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اس پرانی بستی کا پتہ چل سکے۔ ان
یہ تو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ یہ کوٹری نہیں ہے جسے آج کل ہم سب جانتے
بلکہ یہ وہ کوٹری ہے جس پر ماضی کا سیاہ پردہ پڑا ہوا ہے۔

جس کوٹری میں شاہ صاحب کے والد حبیب شاہ صاحب کا قیام تھا
ں مرزا مغل بیگ ارغول نام کے ایک رئیس رہتے تھے ان کا شجرہ نسب چنگیز خان
ری سے ملتا تھا۔ مرزا مغل بیگ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد شاہ صاحب
عقیدت رکھتے تھے۔ اور ان کی دل سے عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مغل بیگ
صاحبزادی بی۔ بی سیدہ علیل ہوئیں۔ چنانچہ دستور کے مطابق شاہ مغل بیگ

شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز

شاہ صاحب کی ابتدائی زندگی کے حالات بتیس برس کی عمر تک کسی مستند تاریخی کتاب میں نہیں ملتے۔ یہ بات دوسری ہے کہ پیران نمی پرند و مریداں می پرانند کے سلسلے میں ان کے عقیدت مندوں اور مریدوں نے بہت سی باتیں لوگوں کو بتائیں لیکن چونکہ اپنی کتاب میں شاہ کو بحیثیت انسان۔ مفکر۔ شاعر اور مبلغ کے بحث کا خیال ہے اور ان کو مافوق الانسان ثابت نہیں کرنا ہے اس سلئے ان روایتوں کو مستند تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ صاحب کے والد شاہ حبیب بقول مولوی دین محمد صاحب وفائی کے کوٹری مغل سے پہلے بھٹے پور میں رہتے تھے وہیں شاہ صاحب کی ولادت ہوئی۔ بھٹے پور بھٹ شاہ سے تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلہ پر تحفہ بالا میں ایک موضع تھا۔ کبھی یہاں اچھی خاصی آبادی تھی اور شاہ حبیب کی جائے اقامت ہونے کی وجہ سے حاجت مندوں کی آمد و رفت سال کے اکثر حصے میں رہا کرتی رہی ہوگی۔ مگر آج اسے دیکھیئے تو عبرت ہوتی ہے۔ ہر طرف ریت کے چھوٹے بڑے ٹیلے دکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں کہیں پرانی عمارات کے کھنڈر زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ "دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہے"

ں وقت تو انہوں نے شاہ صاحب سے کچھ نہیں کہا لیکن چور دل میں
زت کا معاملہ تھا۔ چنگیزی مغل کی "بہو بیٹی" پر ایک غیر نے بری نظر
ور اظہار عشق کیا۔ یہ ایسی بات نہ تھی کہ آسانی سے نظر انداز کی جاسکے
نے اب اپنے غم و غصہ کا اظہار مختلف طریقوں سے کرنا شروع کردیا۔
س خاندان سے سلسلۂ ارادت ترک کیا اس کے بعد طرح طرح سے
نا شروع کیا۔ اور اس قدر مظالم توڑے کہ شاہ صاحب کے خاندان
ھوڑ کر قریب ہی تین چار میل کے فاصلہ پر ایک محلہ آباد کرنا پڑا۔ اسی
وبرعبدالحسین سانگی نے فارسی میں نظم کیا ہے۔ سه

بکہسار و بصحرا و بہ بیشہ | ز جوشش عشق می گردید آں شہ
وگشتہ در پا صفت شاہ مسرور | بدنیا عشق بازش گشت مشہور

زاں می سوخت مرزا جنگ بسیار | ہمیں پیچیدہ بر خود چوں سیہ مار

اب شاہ صاحب کا حال سنئے، محبت کا تیر ایسا نشانہ پر بیٹھا کہ شاہ
 اپنے آپے میں نہ رہے۔ بس یوں سمجھئے:۔ سه

"راتوں کو اٹھ کے عاشق جانو ہو کیا کرے ہے
گاہے دعا کرے ہے گاہے بکا کرے ہے"

کچھ دنوں تو آہ سرد اور نالہ ہائے نیم شبی کا سہارا لیتے رہے لیکن
۔ عشق اپنی عادت دیرینہ سے کہاں باز آنے والا تھا صحرا نوردی تو
تب کا پہلا سبق ہے۔ اور شاہ صاحب بھی رات دن جنگل بیابان
وریگزار کی خاک چھاننے لگے۔ لیکن یہ علاج بھی کارگر نہ ہوا۔ پاؤں

کے آدمی شاہ حبیب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ چل کر صاجزادی کے لئے دعا کیجئے اور تعویذ لکھیئے تاکہ ان کو صحت حاصل ہو چونکہ حبیب شاہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لئے آپ نے صاجزادے بلند اختر جناب سید عبداللطیف شاہ کو دعا کے لئے حکم کیا - چنانچہ شاہ عبداللطیف اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے مرزا مغل بیگ کے گھر گئے - مغل پردے کے سختی سے پابند تھے اور اپنی حویلی میں کسی کا آنا گوارا نہ کرتے تھے - اب سوال یہ تھا کہ دعا کس طرح کرائی جائے - چنانچہ لڑکی کو ایک چادر میں لپیٹ کر ایک جگہ کونہ میں بٹھا دیا اور اس کی انگلی باہر نکال کر شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی کہ وہ اس پر دعا یں دم کریں - کہاں تو شاہ صاحب مسیحائی کرنے تشریف لائے تھے اور کہاں خود مریض ہو گئے - جوانی دیوانی تو تھی ہی حسن جہاں سوز کی ایک جھلک دیکھی اور ہوش و حواس کھو بیٹھے - یہی شاہ صاحب کا ایک زمانہ تھا کہ عورت کے نام سے نفرت کرتے تھے اور ایک زمانہ یہ آیا کہ اسی حوا کی ایک بیٹی پر دل دے بیٹھے - اور بے ساختہ یہ مصرع پڑھا -

"جس کی انگلی سید کے ہاتھ میں ہے اسے موجوں کا کوئی خطرہ نہیں"

سید صاحب نے تو اشارہ میں اظہار مدعا کیا مگر سمجھنے والے بھی بلا کے ذہین تھے اور اس اڑتی چڑیا کو پہچان ہی لیا -

بقول شخصے - ؎

"ہوتے آفت کے ہیں پرکالے
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے"

ا اسے اپنے لڑکے کا پیغام دیا مگر وہاں تو اب ٹھن گئی تھی بھلا کو اس
ِیش کش کو کیوں قبول کرتے۔ عام حالات میں بہت ممکن تھا کہ مرزا مغل بیگ اس
فخر محسوس کرتے مگر اب تو صورت حال ہی کچھ اور تھی۔ مرزا مغل بیگ نے
صاف انکار کر دیا۔

شاہ صاحب کا سفرِ مسلسل

شاہ صاحب کے سفر کے متعلق بھی کوئی تحقیقی، تاریخی کتاب نہیں جس سے
ان واقعات کو نقل کیا جا سکے جو وقتاً فوقتاً اثنائے راہ میں شاہ کو پیش آئے
اس سلسلے میں زیادہ تر ان کے کلام کو پیش نظر رکھ کر قیاس سے کام لیا جا سکتا
ہے اور جہاں کہیں بھی ان کے سفر کے متعلق کچھ سنا ہے اس کی بنیاد قیاس آرائیوں
پر ہے۔ اس سلسلے میں ابھیر دمل مہرچند نے لطیفی سیر میں ایک نہایت
بسیط مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ اس مضمون کا حصہ یہ اسی مقالہ پر مبنی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ جب شاہ اپنے گاؤں سے نکلے ہوں گے تو ہالا کے
راہی راستے حیدر آباد آئے ہوں گے جہاں ان کی ملاقات گنجے پہاڑ
پر سنیاسی فقیروں سے ہوئی ہوگی اس کے دو اسباب خیال کئے جاتے ہیں
اوّل یہ کہ شاہ صاحب نے پہلے پہل گھر سے ایک لا انتہا ہی سفر کے لئے قدم
نکالا تھا۔ ان کے سامنے سب سے آسان اور سیدھی بات یہی ہو سکتی تھی
کہ جیسی جو واضح اور صاف راستہ نظر آیا اس پر چل کھڑے ہوں۔ اور ہالہ
سے بھی ایک سڑک کسی اور طرف جاتی تھی جس کو صحیح معنی میں سڑک کہا جا سکتا تھا

کے چھپالے اور آنکھوں کے آنسو آتش عشق کو ٹھنڈا نہ کر سکے۔ سوچا کہ جہاں سے یہ روگ لیا ہے اس گلی ہی کو چھوڑ دو اور ذرا نکل کر دنیا دیکھو۔ یہی شاہ صاحب گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہیں سے شاہ صاحب کا سفر شروع ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شاہ صاحب یادِ محبوب میں اس قدر محو ہوئے کہ ان کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ وہ ریت سے ڈھکے جا رہے ہیں یہاں تک کہ وہ پورے ریت میں چھپ گئے۔ جب ان کے والد صاحب تین دن کے انتظار کے بعد آپ کی تلاش میں نکلے تو ان کو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب فلاں ٹیلے پر بیٹھے تھے وہاں حبیب شاہ صاحب کو شاہ عبداللطیف کی چادر کا کونہ نظر آیا آپ نے اس وقت یہ بہ آواز بلند یہ مصرع پڑھا۔

لگی لگی واؤ وبا انگڑا ڈھکجی

ہوا نے آخر لگ لگ کے تیرے نازک اعضار کو ڈھانپ لیا"۔

شاہ صاحب یہ سن کر فوراً ٹیلے کے باہر آگئے اور فرمایا

ہئی کھنے پساہ پسن کارن پرین جے

"اس دوست کے وصل کے لئے ابھی آخری دم لے رہا ہوں"۔

شاہ صاحب اپنے سفر کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

"اے سہیلی مجھے محبت نے یہ بیابان دکھائے

ورنہ اس کی کس کو خواہش ہو سکتی ہے

شاہ عبداللطیف صاحب کے سفر سے قبل ہی جب شاہ حبیب نے یہ دیکھا کہ ان کا لڑکا محبت کے ہاتھوں تباہ ہو رہا ہے تو انھوں نے مرزا مغل بیگ

ا یہ مصرع اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

" ہنگلاج کی طرف جانے کے لئے مجھ سے ان آدیسی فقیروں نے کہا، ان کے
شعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہنگلاج جانے والے آدیسی فقیر گیروے رنگ کے کپڑے
پہنتے تھے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔

" اے ماں آج میں اپنے کپڑے دھوؤں گی
پھر انہیں گیروا رنگوں گی ....
اے میری پیاری ماں میں جوگن بنوں گی
مجھے (جانے سے) مت روک!
میں اپنے پرت بلوچ کیلئے کانوں میں بالے پہنوں گی

خیال کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب گیروے کپڑوں میں برہنہ پا کاپڑی فقیروں
کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہوئے ہوں گے۔ اپنی برہنہ پائی کے متعلق شاہ صاحب
خود فرماتے ہیں۔

جوتی وہی پہنیں جن کو اپنے پیر پیارے ہیں

شاہ صاحب کے گیروے رنگ کی وہ کفنی جسے پہن کر آپ ہنگلاج تشریف
لے گئے تھے ان کی درگاہ میں اب تک رکھی ہوئی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب سامی فقیروں کے ساتھ کس راستے سے
ہنگلاج گئے ہوں گے؟ اس سوال کا جواب بھی ان کے رسالے سے ملتا ہے۔ آپ
حیدرآباد سے کراچی کے راستے پر روانہ ہوئے ہوں گے راستہ میں جھیل کینجھر
کے کنارے قیام کیا ہوگا۔ آپ نے وہاں کے مناظر کا نقشہ اکثر جگہ نظم کیا ہے

اور یہ سڑک حیدر آباد کیطرف جاتی تھی۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب نے "سُر کھاہوڑی" میں گنجے ڈونگر گام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

جن (فقیروں) کو گنجے ڈونگر پہاڑ کا نشان معلوم ہوا انھوں نے تلاش حق میں آبادی کی طرف سے نظریں پھر لیں اور لاہوتی ہو گئے۔ اور یہ طے ہے کہ گنجے پہاڑ پر جانے والے کو حیدر آباد سے گذرنا ضروری تھا۔ یہ سنیاسی نیز ہنگلاج یا لاہوت جانے سے پہلے گنجے پہاڑ پر کالی کے مندر میں جمع ہوتے وہاں ضروری عبادتوں سے فارغ ہو کر اپنی اصلی منزل کی طرف روانہ ہوتے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ان کے ساتھ بارہ روز رہے۔ کیوں کہ سُر رام کلی میں کا پڑی فقیروں کی بارہ راتوں کی صحبت کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ہنگلاج اور لاہوت جانے کی خواہش انھیں فقیروں کے ساتھ کی وجہ سے پیدا ہوئی شاہ صاحب دنیا سے یونہی بیزار تھے۔ ان کے لئے آبادی میں کوئی دلچسپی تھی نہیں۔ سو چاہ گا اس طرف بھی ہو آئیں چنانچہ ان فقیروں کی باتیں سن کر ہنگلاج ضرور تشریف لے گئے ہوں گے۔ ہنگلاج کو نانی بھی کہتے ہیں اس سفر کے متعلق سر رام کلی میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"میری ملاقات ان سے ہے جو مشرق جانے کی باتیں کرتے ہیں اور آٹھوں پہر نانی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں"

باوجود اس کے کہ روح بے چین تھی۔ ان کو سکون کی تلاش تھی تاہم ان کے کلام کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہنگلاج کی طرف وہ خود نہیں گئے ان کا اشتیاق اس قدر بڑھا ہوا نہیں تھا بلکہ ان فقیروں نے ان سے درخواست کی اور دعوت سفر دی چنانچہ ان

تھے جن میں دینیات۔ لسانیات اور سیاحت کی تعلیم دی جاتی تھی" سارلے اس کے امکان پر شبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شاید ہملٹن نے پورے سندھ کو ٹھٹھہ سمجھ لیا ہے۔ سارلے کا شاید خیال ہے کہ اس وقت کے ادارے آج کل کے کالج، یونیورسٹیوں اور اسکولوں کی طرح کے ہوتے تھے جن کے لئے زبردست عمارتیں اور لاتعداد اساتذہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا ٹھٹھہ شہر میں اتنے لوگ کہاں سے تھے جو چار سو تعلیمی اداروں کو چلا سکیں۔ لیکن یہ اس وقت کے اداروں سے متعلق اس قسم کا تصور غلط رہے گا۔ کیونکہ یہ وہ دور تھا کہ اساتذہ اپنے شاگردوں سے فیس نہیں لیتے تھے بلکہ خود اپنے پاس سے ان کی رہائش۔ پوشش اور خوراک پر خرچ کرتے سمجھتے تھے۔ تعلیم عموماً وہ لوگ دیتے تھے جو روزی کی طرف سے مطمئن رہتے تھے۔ یا تو ان کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں ہوتی تھیں۔ یا کہیں کے حاکم ہوتے تھے اور اپنے فالتو اوقات میں درس دیا کرتے تھے یا وہ بزرگان دین ہوتے تھے جن کی ضروریات زندگی نہایت مختصر ہوتی تھیں اور جو ان کے مرید پوری کر دیا کرتے تھے۔ اب رہا طلبا کا سوال عام طور پر اس زمانے میں مختلف فنون کے ماہر اپنے اپنے فن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ طلباء دور دور سے کھنچ کر ان ماہرین کے پاس پہنچ جاتے تھے۔

چونکہ ٹھٹھہ سندھ کا دارالسلطنت تھا اس وجہ سے بہت ممکن ہے اہل علم و فن کی اکثریت یہاں جمع ہو گئی ہو اور ہر عالم کا مکان ایک مدرسہ بن گیا ہو۔ ان حالات میں شبہ کی گنجائش ذرا کم نظر آتی ہے۔ بہرصورت

مندرجہ ذیل شعر ان لاتعداد اشعار میں سے ایک ہے -

نیچے پانی ہے کنارے پر چھونکر کے درخت ہیں - اس کے قریب
جنگل ہیں اس کے درمیان جام تماچی کی محبوبہ آیا جایا کرتی تھی جب
شمال کی ہوا چلتی تھی تو جھیل کینجھر منڈولا بن جاتی تھی -

جام تماچی سندھ کا ایک حاکم تھا اس کو ایک ملاح زادی "نوری" سے محبت ہو گئی تھی - دوسرے مصرع میں اسی داستان عشق کی طرف اشارہ ہے -

اس منظر کو دیکھتے ہی وہ لوگ فوراً سمجھ جائیں گے جنھوں نے سندھ کے مختلف مقامات کی سیر کی ہے کہ یہ کون سا مقام ہے - اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ بیلاول کی پہاڑی کے قریب کا نظارہ ہے کیوں کہ چھونکر کے درخت جنگل اور جھیل کا اجتماع یہیں پر ہوتا ہے - "سر کامود" میں شاہ صاحب نے اس جھیل کے مختلف مناظر کو نظم کیا ہے -

الغرض جاڑوں میں جھیل کینجھر سے پار اتر کر آپ ٹھٹھہ تشریف لائے چونکہ آپ کو لاہوت دیکھنے کا اشتیاق بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے آپ وہاں کسی سے ملے بغیر ہی اپنی منزل کی طرف چل کھڑے ہوئے -

ٹھٹھہ اس زمانہ میں سندھ کا دارالخلافہ تھا اور بقول منریتی
کے یہ شہر دولت سے بھرپور تھا اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں بہت اچھی آبادی تھی -

دوسری جگہ ہملٹن "HAMILTON" ۱۶۹۹ء سنہ ۶ کے ٹھٹھہ کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے تقریباً چار سو دارالعلوم

اے پیدل چلنے والی اس بیابان میں تجھے نگہبان کو ساتھ لینا چاہیے

کلاچی سے ہنگلاج ۱۲۱ میل کے فاصلہ پر ہے - اس لئے گمان غالب ہے کہ شاہ صاحب نے بغیر کہیں آرام کئے سفر نہ کیا ہوگا بلکہ منزل بمنزل گئے ہوں گے - کلاچی کے لوگ منزل کو "پانٹرول" کہتے تھے - اس دعا میں جس میں شاہ صاحب نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حضور میں پہلی منزل کی دشواریوں کو کم کرنے کی دعا کی ہے یہی "پانٹرول" کا لفظ ملتا ہے - اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب نہ صرف مقامی محاورات کو اچھی طرح سمجھتے تھے بلکہ ان سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے تھے اور ان کو موقع سے برتتے بھی تھے فرماتے ہیں:-

"ہمارے قافلہ کی پہلی منزل آسان کرنا"

کلاچی سے چودہ میل کے فاصلے پر رودحب ہے قیاس کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی پہلی منزل یہیں کی ہوگی - یہاں ایک قسم کا سفید ٹانگوں والا ہرن ہوتا ہے اسے سندھی میں روجھہ کہتے ہیں یہ نہایت چوکنا جانور ہے - اور آدمی کے سائے سے بھاگتا ہے - اس لئے وہ رات میں ایسے وقت پر پانی پینے آتا ہے کہ سب سو چکے ہوں مگر شاہ صاحب کی آنکھوں میں کہاں نیند وہاں تو اختر شماری، شب بیداری اشک باری اور نالہ وزاری سے کام تھا بقول کسی کے ؎

تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

بات سے تو سارے کو بھی انکار نہیں ہے کہ ٹھٹھہ سندھ کا دارالخلافہ اور مرکز علم وفن تھا۔

ٹھٹھہ میں شاہ صاحب نے سوہنی مینہار کا قصہ اور اس کے مختلف مقامات کو نظم کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد بھنبھور تشریف لائے وہاں آپ نے سسوئی اور پنہوں کی داستان عشق سنی اور اسے اپنے اشعار میں منتقل کرنا شروع کیا۔ آپ نے سسوئی کے متعلق جتنے اشعار کہے کسی اور کے متعلق نہیں کہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب ۱۷۱۰ء میں ہنگلاج گئے ہوں گے۔ تاہں وقت تک کراچی وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ شہر ۱۷۲۹ء میں آباد ہوا۔ شاہ صاحب جن آدیسی فقیروں کے ساتھ اس سفر پر شطر پر روانہ ہوئے تھے وہ کراچی تک تو بغیر کسی تردد اور فکر کے اور بغیر کسی رہبر کی مدد کے چلے آتے تھے لیکن یہاں سے ایک واقف راہ کو ساتھ لے لیتے تھے کیونکہ راستہ بہت خطرناک اور پرپیچ ہوتا تھا اور بغیر کسی ایسے مقامی آدمی کے ساتھ کے ایک قدم بھی آگے بڑھانا مصلحت کے خلاف تھا۔ اس راہبر کے ساتھ ایک بیرق اور ایک لاٹھی ہوتی تھی۔ یہ شخص آگے آگے چلتا تھا اور دوسرے رہرو اس کے نقش قدم پر چلتے رہتے۔ سندھی میں اس کو آگووٗن کہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس کو اپنی زبان میں بیابان کا نگہ بان کہا ہے فرماتے ہیں۔

اس بیابان میں سینکڑوں نہ بلکہ لاکھوں فریادی ہیں

ں وجہ سے اس ریگزار کا نام گرد چیلے کا رن پڑ گیا تھا - گرد چیلے کے رن سے
تے ہوئے شاہ صاحب نے سراب دیکھے ہوں گے ، بھیانک اور غیر آباد مقامات
طرف سے گذرے ہوں گے - جیسا کہ ہم کو ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے جو
نے سستوئی کی زبان سے کہلائے ہیں -

اے سہیلیو! وہاں سراب ہی سراب ہے
ایسا نہ ہو کہ کوئی میرے ساتھ چلے - وہاں پانی بھی نہیں ہے اور منزل بھی کٹھن ہے
ساتھ ریت اور سراب ہی سراب نظر آتا ہے
اے سہیلیو! ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی پیاسی مر جائے اور میرے پنوں کو بددعا دے

ریگ زار سے گذر کر شاہ صاحب نے ضرور رود بھورا کو پار کیا ہو گا یہ رود
ے پہاڑ کے آخر میں ہے - کہا جاتا ہے کہ یہی وہ پہاڑی ندی ہے جس کے
اب کی وجہ سے سستوئی لوٹ کر پہونی ناکے کی طرف مڑ گئی اور ہاڑے
کے پیچیدہ راستوں سے گذری - جب ہاڑے پہاڑ میں اسے راستہ نہ ملا
س کی پریشانی حد سے بڑھ گئی تو اس نے اس مالک سے دعا مانگی جو سب
س آسان کرتا ہے - آپ ہاڑے پہاڑ سے مشرق کی طرف گھور رود کو پار
ہنگلاج پہونچے ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں !

یہ ناگے فقیر ہنگلاج سے چل کر ناتی (لاہوت آگئے) یہاں بارہ روز رہے
لاہوت ______ کے ساتھ دوارکا بھی دیکھا ہو گا

ایسی میں شاہ صاحب نے اسی پرانے راستے سے ٹھٹھہ کے قریب دریائے سندھ
ر کیا ہو گا - اور کلاچی کے لاڑ والے علاقے (جنوبی علاقہ) میں مغل بھین

چنانچہ اسی عالم بیداری اور بیقراری میں ان کی نظران رو چھوں پر پڑی
ہوگی اور سسوئیؔ کے سلسلے میں یوں فرماتے ہیں۔

مصرع :۔ رات اس نے رود حب کے کنارے اپنے ہوت (پنھوں)
کو ڈھونڈھتے ہوئے رو چھ ہرن دیکھے "

اب راستہ اور دشوار ہوگیا قدم قدم پر خوفناک اور پر پیچ درے ہیں
انھیں دروں کے درمیان ایک برساتی ندی ہے جس کا نام وندر ہے یہ
درہ بریدی اور دوسرے دروں سے ہو کر گذرتی ہے۔ برسات میں
جب آس پاس پانی بھر جاتا ہے تو اس کے دھارے اس قدر تند و تیز
ہو جاتے ہیں کہ اپنے ساتھ بڑی بڑی چٹانوں کو بہالے جاتے ہیں سسوئیؔ
بھی اس راستہ سے گذری ہے شاہ صاحب نے اس کے متعلق سر سسوئیؔ
آبری میں یہ استفہامیہ مصرع فرمایا ہے۔

جنھیں محبت نہیں وہ رود وندر سے کیسے گذریں گی

حب سے رود وندر کی طرف جاتے ہوئے درہ بریدی کے لبد کھاڑی
کی چنگی سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس ناکہ پر لسن بیلہ کے حاکم محصول لیا کرتے
ہیں اس کا ذکر بھی شاہ صاحب نے اپنے رسالہ میں کیا ہے۔

اب آپ وندر سے آگے بڑھتے ہیں راستے میں ایک ریگستانی میدان
پڑتا ہے۔ یہاں دور دور سبزی کا نشان تک نہیں دکھائی دیتا۔ دن رات
ہر طرف ایک طرح کا عالم رہتا ہے۔ دور و نزدیک پانی کا ایک قطرہ
میسّر نہیں آتا۔ یہیں کبھی ایک گرو اور اس کے چیلے نے پیاس سے جان دیدی

کم پر شاہ بندر کہتے ہیں اپنے لئے فخر محسوس کیا کرتے تھے۔
تک ایک ویرانہ سا دکھائی دیتا ہے ورنہ کسی زمانہ میں وہاں جہاز
نے تھے۔

سر سراگ میں شاہ صاحب نے صرافوں، موتیوں کے بیوپاریوں
ہریوں کا ذکر کیا ہے۔ جو آپ نے شاید ٹھٹھہ شہر میں دیکھے ہونگے
موتیوں کے بیوپاری اور جوہری آج بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تاریخ
ہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ علاقہ بہت ہی سرسبز و آباد تھا۔
ں، اگر اس کے اوج کمال کا زوال ہو چکا ہے تاہم اس کے نشانات
یں پر ضرور نظر آتے ہیں۔ پہلے یہاں تاجر رہا کرتے تھے جن کی ساہوکاری
نیاں لوگوں کو اب بھی یاد ہیں۔

مغل بھین کے قریب "وڑھی" نامی ایک گاؤں ہے۔ اس وقت
محض چند مقبروں کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں جن میں سے ایک
خواجہ قوم کے پیر میاں لوز شاہ کا ہے اس وڑھی گاؤں کے
س قدر ساہوکار تھے کہ اب بھی اگر کوئی وہاں پہ فضول خرچ
سراف سے کام لیتا ہے تو کہتے ہیں "کیا کہیں بھائی! یہ تو وڑھی
ہوکار ہے۔

مغل بھین سے ڈھائی کوس شمال مشرق کی طرف نند کوٹ ہے جہاں
انہ میں راجا نند کی حکومت تھی جس کا قلعہ اب ایک کھنڈر بن چکا
مغل بھین کے لوگ آج تک یہی کہتے ہیں کہ ایک پرانے قلعہ میں

ُ گئے ہوں گے۔

مغل بھین میں دریائے سندھ کے دہانے پر ایک طرف کھارا اور ایک
طرف میٹھا پانی ملتا ہے۔ اس کا ذکر شاہ صاحب نے سر ساموندی اور سر
راگ میں فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ وہاں سے گذرے ہو
سمندر کے کنارے رہنے والے ملاح جو سمندر میں تجارت کرتے رہتے
تھے ان کا ذکر سر ساموندی میں کیا ہے۔ "ان بیویوں کی داستان فراق"
ہجر و جدائی کی بے قراری اور شوہروں کی یادوں کو اس خوبی اور لطف
کے ساتھ نظم کیا ہے کہ معلوم ہوتا کہ شاہ صاحب نے یہ تمام چیزیں اپنی آنکھ
سے دیکھی ہیں۔

مغل بھین پہنچنے کا اس بات سے اور بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے وہا
کی جکھرا قوم کے ایک شخص جادم کا ذکر کیا ہے۔ جادم اپنی سخاوت کی وجہ
سے گرد و نواح میں مشہور تھا۔

چچ نامہ کے زمانہ سے لیکر میروں کی حکومت تک سندھ کا جنوبی حص
یعنی لاڑ کا علاقہ صنعت و حرفت میں بہت مشہور تھا یہ بہرا اب کراچی
سر پر بندھا ہوا ہے جو کہ پاکستان کا دارالخلافہ ہے۔ اور سب سے بڑ
تجارتی شہر ہے اور یورپ والے اسے "مشرق کا ستارا" کہا کرتے ہیں۔
قدیم زمانہ میں سندھ کی جتنی بھی مشہور بندرگاہیں تھیں مثلاً دیبل وغیرہ
وہ سب لاڑ کے علاقے میں تھیں۔ ایک اور مشہور بندرگاہ جو خود شاہ
صاحب کے زمانہ میں مشہور تھی اور نوئے جسے میاں غلام شاہ کلہوڑہ

یزیں دوسرے ملکوں سے منگوا کر مختلف ممالک کو بھیجا کرتے تھے
ھ ساتھ موتیوں کی تجارت بھی کرتے تھے ۔
اچی علاقہ میں لانڈھی اسٹیشن کے قریب "ریری" نامی ایک
ہے ۔ وہاں سمندر کے کنارے پر دیکھیے تو بے شمار سیپیاں نظر
، ان سیپیوں میں سے بالکل ہلکی قیمت والے موتی نکلتے ہیں جو
ائیوں میں کام آتے ہیں اسوقت قیمتی اور آبدار موتی خلیج فارس
تے ہیں ۔ سندھ کے تاجر سمندر میں دور دور تک اپنے غواص
کی تلاش میں بھیجا کرتے تھے ۔ اور جو بھی موتی نکال کر لاتے تھے ان
ں خاصی تجارت ہوتی تھی ۔ شاہ صاحب نے ان باتوں کو نہایت
ت سے پیش کیا ہے ۔

خل بھین کے ملاح آج بھی ملبار اور دوسرے دور دراز ممالک
تے ہیں ۔ اور اس وقت بھی کہاں سے کہاں جا نکلتے تھے ۔ جس کا ذکر
احب نے اپنے رسالے کے ان دونوں سروں میں کیا ہے ۔

سندھ کے سب سے بڑے سیاح شاہ عبداللطیف بھٹائی ہمیں یہ
ہیں کہ سندھ کے تاجر جب تجارت کرنے کے لئے جاتے تھے ۔ تو
شتیوں میں ماہر جہازرانوں کو بھی ساتھ لے چلتے تھے جسے سندھ میں
انی " اور لکھپت اور کچھ کی طرف "معلّم" کہتے ہیں ۔ ہندوستان
ل گزیٹیر میں بھی یہی لفظ "معلم" استعمال کیا گیا ہے اور لکھا ہے
معلم اب بھی بہت مشہور ہیں " شاہ لطیف نے یہ لفظ شاید

جس کو وہاں کے لوگ "بھڑی" کہتے ہیں بے شمار خزانہ مدفون ہے
مغل بھین سے دو کوس کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جس کو سیر گ
کہتے ہیں۔ وہاں سیر نامی ایک کھاڑی بہہ رہی ہے۔ اس کو سنڈ دیت
بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے نزدیک "سنڈو نامی ایک گاؤں ہے۔ اس
سے لکھپت اور کچھ سے چاول اور دیگر اجناس کی تجارت ہوتی ہے
یہاں ہر سال سات آٹھ لاکھ روپے کی روانگی اور تین چار لاکھ رو
کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں ایک کسٹم آفس ہے جو کراچی کسٹم آ
شاخ ہے۔ (یہ تقسیم ہند و پاک سے پہلے کا ذکر ہے)

۱۹۱۴ء سے لیکر "سیر گنڈھے کی کھاڑی" خشک ہوتی چلی جا
اور کشتیوں کی آمدورفت کو بھاری نقصان پہنچا ہے۔ اس کے باوج
اب بھی وہاں اچھی خاصی تجارت چل رہی ہے۔ اور جب یہ باتیں گز
سے پیوستہ کر کے سوچی جاتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کا یہ خ
واقعی سنگِ پارس تھا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ شاہ صاحب
علاقہ کے متعلق کیا کچھ بیان فرمایا ہے۔

"ڈھیل چھوٹا، پار جا پانیٹھو پاتاؤں۔
کوٹھیوں قیمت سندیوں تڑ میں تاکیاؤں"

یہاں کے تاجر لونگیں، الائچی، کپڑا، دُرِّ آبدار اور دیگ
اشیاء کشتیوں میں لاد کر باہر روانہ ہوتے تھے یہ سب تارجی
لونگیں اور الائچی سندھ کی پیداوار نہیں لیکن سندھ کے

اس شعر میں شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ یہاں کے لوگوں نے سنا
لنکا یعنی سیلون میں سونا بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ ادھر
جایا کرتے تھے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

" اتر لگے ادہریا، واہوندے ورن"

اس مصرع میں کہتے ہیں کہ مانسون ختم ہونے کے بعد شمال کی ہوا
یعنی سردیوں کے آغاز میں جب سمندر کی لہریں خاموش ہوتی تھیں
وقت یہ تاجر سفر کو نکلتے تھے اور جب بہار کا موسم آتا تھا تب
اپنے وطن واپس لوٹ آتے تھے۔ اس بات کی اور وضاحت کرتے ہوئے
فرماتے ہیں ۔

"ڏٺي ڏِ ٻاري سا موٽڻ سو سَنباهيا"

دیوالی کا چاند دیکھا اور بحری تاجروں نے سفر کی تیاری کی"
سندھ کے بحری تاجر اسو مہینے میں دیوالی کر کے سفر کو جاتے تھے
چیت مہینے یعنی موسم بہار میں واپس لوٹتے تھے۔ یعنی ان کا سفر
تقریباً چھ ماہ کا ہوتا تھا۔ اور اس عرصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے
کہ چین بنگال اور دیگر اطراف کو بھی جاتے تھے۔ اس لئے انھیں
آنے جانے میں اتنا وقت لگ جاتا تھا ۔
شاہ صاحب نے ان تاجروں کی عورتوں کو اپنے شوہروں کے
فراق میں بہت ہی بے قرار دیکھا۔ اس لئے خود کو ایک تاجر کی حالت
میں سمجھ کر اپنا دردِ دل نہایت وضاحت سے پیش کیا ہے :

اسی علاقہ سے اخذ کیا ہوگا۔

سر سراگ میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

سودے کارڻ سبھی ویہوں وڻجارن
ویا چین بنگال ڏي دکھي ماڻکن

ترجمہ:۔ وہ دولتمند تاجر تجارت کے لئے تیار ہوئے او
موتیوں کی تجارت کے سلسلہ میں چین اور بنگال تک گئے؛

یہ تاریخی بات ہے کہ انگریزوں نے جب سندھ پر قبضہ کیا تو اس
سے صرف پانچ برس پہلے یعنی ۱۸۳۷ء میں سندھ میں جن چیزوں کی
تجارت ہوتی تھی ان کا مفصل بیان کمانڈر کارلیس نے دیا ہے۔ جس کا
کچھ ذکر سندھ گزیٹیر میں بھی ہے۔ اس سال سندھ میں تقریباً سا
اکیس لاکھ روپے کی تجارت ہوتی تھی۔ اور اس وقت جو خاص چیز ب
باہر سے منگوائی گئی تھیں ان میں سے چین اور بنگال کا ریشم بھی
الغرض شاہ صاحب کے زمانہ سے لیکر ۱۸۴۳ء تک سندھ کے تاج
اطراف کو جایا کرتے تھے:۔

لنکا لنکا کن، لئے لنکا جے اوہریا
سڻي سون لنکا جو سکھ نہ سمھون ڈین

ترجمہ:۔ ان کی زبان پر لنکا ہی لنکا ہے اور وہ لنکا کی ط
جا رہے ہیں۔ لنکا کے سونے کی شہرت سن کر ان بحری تاجرو
کو سخت بے آرامی ہوئی ہے۔

رے آکر لوٹتے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

مُعلّم ماگ نہ اگیی پھلنگی منجھ پھُریا

ملاح تہنجی مکڑی ۽ آچی چور چڑھیا

یعنی کشتی کا معلم اپنا راستہ بھول گیا اور فرنگی (لیٹرے) آپہونچے۔ اے
ح تیری کشتی میں چور آکر سوار ہوئے۔

پھلنگی۔ فلنگی۔ فرنگی۔ اصل لفظ FRANK ہے یورپ کے لوگوں
فرنگی کہتے ہیں۔ ڈاکٹر گربخشانی نے شاہ کے رسالہ کی شرح میں لکھا
ے کہ پورچوگیز اور انگریز جب عیسوی سولھویں صدی میں ہندوستان
یں تجارت کی غرض سے آئے تھے تو ان میں سے بعض دریائی لیٹرے بھی
ے جن کو شاہ صاحب نے پھلنگی (فرنگی) کہا ہے۔

۔ بعض تاجروں کی کشتیاں سمندر کے بھنور میں آکر پھنستی تھیں اور
جوں میں الٹ کر غرق ہوجاتی تھیں۔

جتے ڈھینگ ڈھیر با ۽ تتے تاری تنہنجے

یعنی۔ اے مالک! بھنور میں جہاں جہاز کی چکری گھوم رہی ہے
ں کو وہاں تیرا ہی آسرا ہے۔

اسی طرح شاہ صاحب نے سمندر کے سب حادثات کو تفصیلاً پیش
ہے۔

جب تاجروں کے لوٹنے کے دن قریب آتے تھے تو ان کی عورتیں
ر وقت بندرگاہ کی طرف دیکھتی رہتی تھیں۔ دور سے کوئی جہاز دکھائی

حزینہ اشعار کہے ہیں جس سے پتھر بھی پانی ہو جاتا ہے

الوڑنؑ نہ ڈیئے، ورد دھائیں وَ بجھ کھے

رَہ اچو کی راتڑی، لالنؑ مول لائے

وَنج مَ پھوڑا سئے، ایڈے سفر پیریں

کہتے ہیں کہ کشتی چلانے کا ڈنڈا تاجر عورت نے قابو پکڑ رکھا ہے
اور دونوں ہاتھوں سے اسے لپٹی ہوئی ہے اور بالکل نہیں چھوڑتی
اور اپنے خاوند کو روکر کہتی ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو محض آج کی رات
تو میری خاطر ٹھہر جا۔ اے دوست! مجھے فراق میں مبتلا کرکے اس
(اچھ ماہ کے) سفر پر مت جا۔" اسی طرح سینکڑوں اشعار کہے ہیں
اور صاف صاف دکھایا ہے کہ تاجر عورتیں اپنے شوہروں سے
بچھڑ کر اس وقت تک خون کے آنسو بہایا کرتی تھیں جب تک ان کے
شوہر خیریت سے واپس نہ آتے تھے۔ اور بار بار دریا پر جاکر نذر
نیاز مانا کرتی تھیں۔ اور اس وقت کی رسم کے مطابق چوراہے پر
جاکر دیا جلایا کرتی تھیں جیسا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

جا جر جا لوڑں نہ ڈیئے، ڈیا نہ موہے

سدھوں کوہ کرے، اپنے کانڈھ جوں؟

یعنی جو عورت دریا پر جاکر نیاز نہیں کرتی۔ چوراہوں پر دیئے
نہیں جلاتی۔ وہ اپنے شوہر سے ملنے کی خواہش کیوں کرتی ہے۔
وہ تاجر جب بحر عمیق کی طرف جاتے تھے تو کبھی کبھی ان کو دریائی

یا میراثی فقیر کی طرح دامن پھیلا۔

(۳)

مانَ پُچھنئی سُپرین، چِتَ ہیں رکھج چیتُ
سِڑھ ڈُھارے صافُ کر، صابڻ سانُ سُیتُ
سامُونڈی! سچیتُ تھی تہ پُہچین پار کھے

ترجمہ

شاید ان دوستوں کو تیرا خیال آجائے۔ اس لئے تیرے دل میں محض انھیں کی یاد ہونی چاہیئے (اے بحری تاجروں کے شیدائی!) تو اپنی کشتی کا بادبان سفید صابن سے صاف کر۔ اے بحری مسافر! تو اس معاملہ میں خبرداری سے کام لے تاکہ ساحلِ امید تک تیری رسائی ہو۔

(۴)

مانَ پُچھنئی سُپرین! چِتَ مین چیتارِیج
کڈھ ج کانئے پُچَ کھے، کوڑم کماپیج
ڈِینُجُ ڈِہاڙیج، سُبھُ سوداگرُ سَچ جو

ترجمہ

شاید ان دوستوں کو تیرا خیال آجائے تو شیشے اور سنگریزوں کو (اپنے جواہرات سے) نکال کر باہر پھینک اور جھوٹا سودا نہ کر۔ اے سوداگر تو ہمیشہ ہیروں کی تجارت کر۔

(۵)

دیتا تھا تو اس کی طرف آنکھیں ڈال دیتی تھیں اور ہر ایک یہی کہتی تھی کہ

"ماں مینھنجو ہوئے ، جانی ہن جہاز ہیں"

یعنی کاش ! اس جہاز میں میرا دوست ہو ۔

الغرض شاہ صاحب خود درد و فراق کے مارے تھے ۔ اس لئے انہوں نے سر ساموندی میں تاریخی منظر کے ساتھ دردانگیز اشعار کہنے میں بڑا کمال دکھایا ہے ۔ جن میں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ۔

(۱)

ماں پُچھینءَ سُپرِیں ، چناں لاہِ مَ چِرُ
اُہِنَ جا اُمرَ ، کھَٹِ تہَ خالی نہ تھییں

ترجمہ

شاید ان دوستوں کو تیرا خیال آجائے اس لئے تو انھیں اپنے دل سے ہرگز نہ بھلا ۔ تو ان کے احکام کی پابندی کرتا کہ تجھے (ان کی نعمتوں سے) بے بہرہ نہ ہونا پڑے ۔

(۲)

ماں پُچھنئی سُپرِیں ، چناں چِرُ مَ لاہِ
پرِیں اُگیاں پاءِ ، پلو مگتھار جیئں

ترجمہ

شاید ان دوستوں کو تیرا خیال آجائے ۔ اس لئے تو انھیں اپنے دل سے ہرگز نہ بھلا ۔ تجھے چاہیئے کہ تو اپنے دوستوں کے سامنے ڈوم

ریھھے جو سیّد چے ، وَکھرُ وہا یوم
ھھڑ و حالُ ئند وم ، تو ہ ھیَ اُ ھاں

ترجمہ

افسوس! میں نے محض جھوٹے بلّور خریدے ہیں اور موتیوں کی تجارت نہیں کی۔ سیّد کہتا ہے کہ میں صرف سیسہ کے بیوپار میں مشغول رہا ہوں (اے میرے مالک) اب میری یہ خستہ حالت ہے اور مجھے فقط آپ ہی کا سہارا ہے۔

(۸۰)

کَچُ کمایم کُوڑُ ، بَعَھُمَ عَھدَ اَللہَ جا
پِجر و جو پاپَن جو ، چو ئی تائیں چُورُ
مَعلُوم اَھیئیٔ مُوں ، گُوڑھا اَنھَم گالِ جو

ترجمہ

میں نے (اپنی زندگی کی تجارت میں) محض جھوٹے کنکر اکٹھے کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی انحرافی کی ہے۔ میرا یہ جسم جو گناہوں کا پنجرہ ہے۔ اس میں سر سے لیکر پاؤں تک گناہ ہی گناہ نظر آتے ہیں اور وہ ان گناہوں کے بوجھ سے چور ہونے والا ہے۔ اے دلوں کے راز جاننے والے مالک! میں کیا بتاؤں تجھے میری ان باتوں کا ماحصل اچھی طرح معلوم ہے۔

مان پچھنئیٔ سپرین ، چناں لاہ ہم پچوڑ
کڈھی چھنڈ لوڑن قلب مان ، نارے کوڑ و کوڑ
ہن پر مسند و ہور ، متمان نو معات تھیٔے

ترجمہ

شاید ان دوستوں کو تیرا خیال آجائے - اس لئے تو اپنے دل سے ان کی یاد مت بھلا تو اپنے قلب سے اس کدورت کو کرید کر باہر پھینک جو ایک جھوٹے کنکر کی مثل ہے - تاکہ تجھے قیامت کے فکر سے نجات حاصل ہو جائے -

(۶)

مانَ پچھنئی سپرین ، چینار پچ جیت
دایما دُور بینَ ہین ، پسیں دلاتن دِ ٹت
نینہنہ نیگھارے بنت ، ملاح گذ معلم سیں

ترجمہ

شاید ان دوستوں کو تیرا خیال آجائے - اس لئے تو انھیں اپنے دل میں یاد کر تازہ - تاکہ اس دل کی دور بین میں ممالک حقیقت کے خزانے نظر آ ئیں - اے ملاح تو اپنی کشتی کو اچھی طرح سے دھو کر صاف کر اور پھر کسی قابل معلم (کپتان) کے ساتھ (بحری سفر پر) روانہ ہوجا -

(۷)

کا لو کمایُرم ، موتی موُں نہ وِ نجیا -

میرا بیڑا پار کر دے ؎

(۱۱)

ڑُڑَ لہریوں ، لَس لیٹَ ، بجنےٗ اَنتُ نہ آبُ جو
اللہ اوّلِ مَ اُنَ جا ، بیڑا مِٹھےؔ بَیٹَ
جو کھو تِھئےَ مَ جہازَ کھے ، پھَر ہی آچے مَ پھیٹ
لگے کامَ لپیٹ ، ہَن غارِ ببے غُرابَ کھے

ترجمہ

جہاں میلا پانی ہے - اور کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے - اور وقتاً
فوقتاً سیلاب اٹھتا رہتا ہے - وہاں پانی کا تھاہ نہیں معلوم کیا جا سکتا - یا اللہ
میرے بیڑے ایسی جگہ پر کسی جزیرے سے نہ ٹکرائیں - ہمارے جہاز کو کوئی
نقصان نہ پہونچے اور اس کے کسی تختہ کو چوٹ نہ آئے - یا خدا ہم غریبوں کی ناؤ
سمندر کی ہر لپیٹ سے محفوظ رکھ ۔

(۱۲)

سِتڑ ھَڈ سنوان ... جُو لُوال ، اولا سَندَن عاجَ
ساتھی سَفر کَیا بھرِ ے جُنگ جہاجَ
حاصِلُ کرِ ہیں حاجَ ، واحد! و نجارَن جی

ترجمہ

ان کی کشتیوں کے نئے بادبان تھے - نئی رسیاں تھیں اور پانی میں چکر
کاٹنے والے ڈنڈے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے تھے - میرے ساتھیوں

کُوڑی کماییئے کچھُ ، اُٹھی اورِ اللہ سیں
کَڈھ توُں دَغا دِل مان صاحب وَڈّے پسّجَ
محبت مَندو مَن میں مانِگ ! بارِج کچھُ
اِنہر اُٹھی اَچُھ ، تہ سو دو تھئے سُپھرو

ترجمہ

تو نے اب تک جھوٹی تجارت کی ہے۔ اس لئے اٹھ اور اللہ کو یاد کر تو اپنے دل سے کدورت نکال دے کیونکہ وہ مالک سچ کو پسند کرتا ہے۔ اے گوہر یکتا ! تو اپنے سینے میں آتش الفت فرادان کر۔ بس ! تجھے ایسا ہی کرنا چاہیئے تاکہ تجھے اپنی تجارت میں منافع ہو۔

(۱۰)

سَودو اِہوئی سُپھرو ، سو مُوں پَلیئے پائے
وَسّ ویچاری ناہِ کو ، توُں آگا عرض اُڈنائے
ریءِ سِھراہی ہادی جے ، مُور نہ مڑے مائے
لُطفُ سہائیں لنگھائے ، لہرو لہرن وِچ مان

ترجمہ

بس ! یہی سودمند تجارت ہے اور میرا دامن اسی سے بھر دے اے میرے مالک میں بے بس اور مجبور ہوں تو ہی میری عرض قبول کر کیونکہ تجھ ہادی کی رفاقت کے بغیر کوئی تاجر (سمندر کے سفر سے) واپس نہیں آسکتا۔ بس ! تو ہی اپنے لطف و کرم سے ان موجوں

ہالار سے کچھ کی خلیج پار کرکے دوارکا گئے ہوں گے اور دوارکا کے بعد
ندر ۔ جس کے لئے آپ نے خود دعا مانگی تھی :۔

"سیّد ساتھ سندو پُر بندر پہونچائیں ۔"

یعنی اے مالک تو اس سیّد عبد اللطیف کو اپنے قافلہ کے ساتھ صحیح
مت پور بندر تک پہونچا ۔

آخر ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ پور بندر پہونچے ۔ وہاں سے جوناگڈھ اور
گئے ہوں گے ۔ ان کے سفر کے مختلف منازل کا پتہ ہمیں ان اشعار سے ہوتا
جو انہوں نے مقامی روایات رسوم اور خصوصیات کے سلسلے میں کہے ہیں
راسئے ڈیاچ کی سخاوت کا قصہ مشہور تھا ۔

اس نے اپنے وعدے اور خدا کے واسطے کی وجہ سے اپنا سر بیجل نامی
گانے والے کے حوالے کردیا ۔

گرنار کی پانچ چوٹیاں ہیں ان میں گورکھ ناتھ سے سب بلند ہے شاہ صاحب
کا بھی ذکر اپنے ایک شعر میں کرتے ہیں ۔

گرنار ایک نہایت پر فضا مقام ہے ۔ اس کے چاروں طرف خوشنما اور
فریب سبزہ زار ہیں ۔ اس کے پہاڑوں کے درمیان کے غاروں کی گہرائی
تاریکی اور ہیبت بہت اثر لیتے ہیں ۔ گورناتھ کی چوٹی اور اس
مندر کی شاندار عمارت اس میں جوگیوں اور پجاریوں کی پر خلوص عبادت
کے دل پر پائیدار اثر ہوتا ہے وہ اسی موقع پر جوگیوں کی اقسام بھی

نے بھی بڑے بڑے بیڑوں پہ سامان لادا اور سفر کو چلے گئے۔ اے میرے اللہ تو ان تاجروں کی ہر مشکل آسان کرنا۔

(۱۳)

سٹرھَ سَنواں ، لاجُو نواں ، ھُاٹا سَندن ہیر
ساتھی سُفر ہلیا ، تِھیا سَنّاٹا وا ہیر
جے اُچَنِ سانَ اُکبرَ سے : بیڑا رکھیں باجھ سیں

ترجمہ

ان کشتیوں کے نئے بادبان تھے۔ نئی رسیاں تھیں۔ اور ان کے ملاح بھی ذی جاہ تھے۔ میرے ساتھی بھی سفر کو روانہ ہو گئے اور اب وسط دریا میں جا کر پہونچے ہونگے۔ یا اللہ! تو اپنے لطف و کرم سے ان کی کشتیاں محفوظ رکھ۔ جو بڑے اشتیاق سے واپس لوٹنے والے ہیں۔"

شاہ صاحب مغل بھین کے کھارے پانی کو عبور کر کے علاقہ کچھ کے لکھ پت بندر پر پہونچے ہونگے۔ اس کے بعد کچھ کے دارالخلافہ بھج ہوتے ہوئے ضلع ہالا میں وارد ہوئے ہوں گے۔ یہاں کپڑے کی رنگائی بہت اچھی ہوتی ہے چونکہ شاہ صاحب نے اس کا ذکر اپنے یہاں کیا ہے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ آپ یہاں ضرور تشریف لائے ہوں گے۔ فرماتے ہیں!

"جو رنگ کر لال ہوا وہ دھونے میں کبھی خراب نہیں ہوتا ہالا کے رنگے ہوئے کپڑے کو دھوبی کی بھٹی بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ دھوبی اس کو کتنا ہی کیوں نہ دھوئے۔ مگر اس کی سرخی کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔

ے تھنوں کی سی ہے ان سے ہر وقت پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔
عقادوں کا خیال ہے کہ پہلے ان میں سے دودھ بہتا رہتا تھا اور اسی کے
ں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ اس لاہوت مکان کا عکس ہے جو آسمان
ہے۔

ہاں پر شاہ صاحب سے ان سوامیوں نے بتایا کہ اب ہمارا ارادہ
نے کا ہے۔ رات میں باتیں ہوئیں اور شاہ اس اطمینان میں سوئے
ل جائیں گے۔ لیکن سویرے جوان کی آنکھ کھلی تو نہ تو وہ سوامی دکھائی
ی اور نہ ان کا سامان سفر شاہ صاحب کو تحقیقات سے معلوم ہوا کہ
یاست قلات کی طرف گئے ہیں چنانچہ وہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف
گئے۔ ریاست لس بیلا و ریاست قلات کے درمیان ایک بہت
ہے جسے جھالاوان کہتے ہیں۔ اس علاقہ میں بہت بڑے بڑے پہاڑ
یں سے مشہور پہاڑوں کے نام جاؤ۔ جمر، اور جر ہیں۔ لس بیلہ کے
ب کی طرف کھیرتھر پہاڑوں کے سلسلے جہاں پر ختم ہوتے ہیں وہیں
ن ہے۔ جس کو ونڑکار کہتے ہیں۔

ہ صاحب نے ان سوامیوں کے تعاقب کا ذکر یہیں تک کیا ہے۔ اس
چلتا ہے کہ آپ یہیں سے لوٹ گئے ہوں گے۔ اس کے بعد شاہ صاحب
آئے ہوں گے۔ یہاں "سپڑ" نام کے ایک سخی شخص کی شہرت سنکر
ریف میں یہ اشعار کہتے ہیں۔

سخی تو تو ہے اور سب بھکاری ہیں۔

بیان کرتے ہیں۔

گرنار کے بعد کھمبات ہوتے ہوئے گجرات کے ریگستان سے گذر کر پھر لاہوت گئے ہوں گے۔

لاہوت کراچی سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ یہاں تک پہونچنا آسان کام نہیں۔ راستہ نہایت ہی مخدوش اور بھیا نک ہے۔ میدانوں میں زہریلے سانپ ہر قدم پر ملتے ہیں۔ پہاڑوں سے گذرتے ہوئے ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ دیکھئے کسی طرف سے درندے حملہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان پہاڑوں کے غاروں میں شیر چیتے۔ بھیڑیئے۔ لکڑ بگھے اور اس طرح کے دوسرے درندے رہتے ہیں۔ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان اطراف میں جنوں، پریوں، اور دیووں کا بسیرا ہے۔ روایت ہے کہ شاہ بلادل نام کے ایک بزرگ تھے۔ ان کا اور قلندر شہباز کا ایک ہی زمانہ تھا۔ وہ اتفاقاً اس علاقے کی طرف سے گذرے۔ اس خطہ پر گوگل نامی ایک دیو کا قبضہ تھا شاہ بلادل نے اس دیو سے جنگ کی اور اس علاقہ کو آزاد کرادیا۔ شاہ بلادل کا مزار کوہ پب کے درمیان ہے۔ وہیں ایک غار کی شکل بالکل قبہ کی سی ہے اور اسی کو لاہوت کہتے ہیں۔ پہاڑ سے اتر کر غار کے اندر جانا بڑا مشکل کام تھا مگر خوش عقیدت لوگ ان مشکلات کو خاطر میں نہ لاتے تھے اب وہاں لوہے کی سیڑھیاں لگادی گئیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ اب وہاں تک پہونچنا اتنا مشکل نہیں رہا۔ لاہوت کے قبہ کی چھت میں بہت سے چھوٹے چھوٹے پتھر ابھرے ہوئے ہیں ان پتھروں کی شکل

ست خواہش پیدا ہوئی - اس کے لئے شاہ صاحب ہنگلاج سے
ر ٹھٹھہ ہی میں مخدوم محمدؒ معین صاحب کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے
قات کا بہت ہی خوش گوار اور پائیدار اثر ہوا - ان لوگوں کی دوستی
مر قائم رہی -

شاہ صاحب مخدوم محمدؒ معین صاحب کی ملاقات کے لئے برابر ٹھٹھہ
کرتے تھے - اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اگر آخوند
ھٹی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں تو علوم اعلیٰ مخدوم صاحب سے حاصل
جن میں ظاہری اور باطنی دونوں علوم شامل ہیں - اس کا اعتراف شاہ صاحب
یا ہے -

شاہ صاحب نے اپنی ہدایت کے لئے مخدوم محمدؒ معین صاحب سے استدعا کی
خدوم صاحب نے   اویسیہ نامی ایک رسالہ لکھ کر ان کو دیا
معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو ان سے تعلق روحانی بدرجۂ اتم رہا ہے
لہ میں شاہ صاحب نے مخدوم صاحب سے اکثر عالمانہ سوالات بھی کئے ہیں - آپ
ات کی اصل عبارت درج ذیل ہے -

چہ می فرمایند علمائے کرام و مرجع الانام اندر آنچہ لفظ اویسی در کلام طائفہ
نوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین واقع شدہ یا نہ بہ تقدیر کہ واقع شدہ یعنی
اویسی کہ فیض از روحانیت گیرد مرشد ظاہر بہ این منافات دارد یا نہ دار
یض گرفتن از میت در عالم برزخ عقل و شرع آن را تجویز نماید یا نہ نماید
وسلوک بہ اقوال علمائے ظاہر منافات ہست یا نہ - الخ "

بارش تو اپنے موسم پر ہوتی ہے لیکن تیری (جود وسخاکی) بار
ہر وقت ہوتی رہتی ہے ۔

اگر تو میرے گھر آئے تو میں میلی کچیلی (ستوئی) (عزت پاؤں ؟

لس بیلہ کے بعد شاہ صاحب کاکچی آئے ہوں گے ۔ یہاں سے لاہوت
ہوں گے ۔ اور لاہوت سے ہو کر ٹھٹھہ آئے ہوں گے ۔

ٹھٹھہ پہونچنے سے پہلے شاہ صاحب پر ان جوگیوں اور ان کے فل
کا اتنا اثر تھا کہ آپ ان کی یاد میں دن رات آنسو بہایا کرتے اور ان کی د
کے صدمہ سے بے قرار ہو کر آہیں بھرتے رہتے ۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ٹھٹھہ علم وفن کا مرکز تھا اور یہاں ا
علمائے دین کا قیام تھا ۔ انھیں علمار میں مخدوم محمدؒ معین عرف مخدوم محمد
کا ذکر آتا ہے ۔ مخدوم صاحب اس وقت کے زبردست عالم تھے ۔ علو
و باطنی دونوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ۔ علامہ مخدوم محمدؒ معین صا
تصوف میں شیخ ابوالقاسم نقشبندی ٹھٹھوی کے تربیت یافتہ تھے ۔ ع
حدیث آپ نے شاہ ولی اللہؒ دہلوی سے حاصل کیا تھا ۔ وحدت الو
کا مسئلہ بھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا تھا ۔ اس ز
میں سندھ میں ان کے علاوہ کوئی اتنا زبردست عالم دین نہ تھا جو سم
کا قائل ہو اور سماع سے دلچسپی رکھتا ہو ۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی صا
نے ہندو جوگیوں سے ویدانت فلسفہ "یا تو ہی تو" کی حقیقت معلوم کی
ان کے دل میں کسی بڑے عالم سے اسی چیز کو اسلامی تصوف میں معلوم کر

رٹ میں بھٹ شاہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے یک بیک اپنے مریدوں سے فرمایا کہ چلو دوست سے آخری
ت کر آئیں آپ بھٹ سے روانہ ہو کر ٹھٹھہ پہونچے۔ فقیروں کو حکم ہوا کہ سماع کی محفل گرم کریں ابھی محفل
وع ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ مخدوم صاحب کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ کچھ دیر عالم استغراق
ہ تن گوش بنے رہے جب یہ کیفیت زیادہ بڑھی تو آپ عالم بیخودی میں مجلس نور و نغمہ سے اٹھ کر اپنے
یں تشریف لے گئے۔ حجرہ میں گئے ابھی ایک لمحہ بھی نہ گذرا تھا کہ ان کی روح اس قفس عنصری کو توڑ
د ہوگئی اور اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۱۶۰ھ میں ہوا شاہ صاحب نے نماز جنازہ
ئی اور محبت اور دوستی کا آخری تحفہ یعنی مٹی دیکر بھٹ شاہ واپس آئے

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقت دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ٹھٹھہ سے روانہ ہوتے ہوئے وقت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب ٹھٹھہ کا آنا جانا
دا۔ ٹھٹھہ کی زمین مجھکو عزیز نہ تھی۔ اگر مخدوم محمد معین صاحب نہ ہوتے تو میں کبھی یہاں آتا بھی نہ۔ اب وہ نہ رہے
لئے اب یہاں ٹھٹھہ کا آنا بھی ختم ہوا۔ (تحفۃ الکرام۔)

اسی آمد و رفت کے دوران میں شاہ صاحب کی ملاقات ایک دوسری بڑی شخصیت سے ہوئی۔ یہ
میر محمد عطا میر فانی تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۱۷۰ھ میں ہوئی۔ آپ ایک زبردست شاعر تھے۔ یہی
ں باعث کشش بھی۔ شاہ صاحب ان سے اکثر ملا کرتے تھے اور ان دونوں صاحبان کے تعلقات
چھے تھے۔ شاہ صاحب اور محمد عطا صاحب کے سلسلے میں صاحب تحفۃ الکرام نے یہ واقعہ درج کیا ہے۔
شاہ عبد اللطیف صاحب بھٹائی میر عطا کی بیٹھک کے بالا خانہ پر تشریف فرما تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص میر صاحب
ٹھی میں محو خواب ہے شاہ صاحب کے استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ ایک مجذوب ہیں انکا نام حبیب شاہ ہے۔ تین دن سے
ع سے سو رہے ہیں اور اب تک کروٹ تک نہیں بدلی شاہ صاحب کو حبیب کے طویل خواب کا حال معلوم ہوا تو

ترجمہ :۔ علمائے کرام و بزرگان عظام اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ا
اویسی گروہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کلام میں آیا ہے یا نہ
اگر آیا ہے تو اس کے کیا معنی ہیں۔ اگر اویسی روحانیت سے فیض حاصل کرتا ہے تو مرشد ظا
کی نسبت اس کے خلاف ہے یا نہیں - اور یہ کہ عالم برزخ میں مردوں سے فیض حاصل کر
عقل و شرع کی تجویز کے مطابق ہے یا نہیں۔ سلوک در ویشی کی علمائے کرام ظاہری
سے مخالفت ثابت ہوتی ہے یا نہیں "

ان کے سوالات کے جواب میں مخدوم محمد معین صاحب نے بھی ایک رسالہ مرتب کر کے شاہ صا
کو دیا۔ اس کا قلمی نسخہ پیر جھنڈے کے کتب خانہ میں موجود ہے اس رسالہ کا شاید یہی ایک
نسخہ ملک سندھ میں ہے جو اس وقت ڈاکٹر نبی بخش خاں لغاری بلوچ عاریۃً لے آئے ہیں۔ اور اسکے
متعلق رسالہ نئی زندگی میں ایک مقالہ بھی شائع ہو چکا ہے ۔

محمد امین فقیر گرانی ٹھٹوی سے نقل ہے کہ ایک دفعہ شاہ صاحب ٹھٹھہ میں مخدوم محمد معین کے
یہاں مقیم تھے ۔ یہ دونوں بزرگ شیخ حسین دیبلی عرف پیر پٹھا کے مقبرے پر گئے ۔ توجہ کرنے کے بعد
جب دونوں بزرگ فارغ ہوئے تو انکے چہرے پر حزن و ملال تھا۔ اسکے بعد شاہ وجیہ الدین کے مقبرے
کی طرف متوجہ ہوئے ۔ وہاں سے خوش خوش اور ہشاش بشاش لوٹے ۔ گرانی فقیر نے جب سبب پوچھا تو فرما
کہ شیخ پٹھے کی روح نے ہمیں بتایا اسوقت اس دنیا میں خدا کا طالب نہیں رہا۔ اس کا ہمارے دلوں پر بہت
اثر ہوا اور ہم ملول و غمگین ہوئے ۔ لیکن شاہ وجیہ الدین صاحب کی روح نے فرمایا کہ اسوقت خود آپکے طالب ایسے
ملیں گے جو آپسے خدا کی طلب کریں گے اس پر ہمارے دلوں کو طمانیت حاصل ہوئی اور ہم خوش واپس آئے ۔
(گلشن اولیا قلمی نسخہ) شاہ صاحب اور مخدوم محمد معین صاحب کے تعلق اور دوستی کا انداز اس بات سے
ہوتا ہے کہ جب مخدوم محمد معین صاحب کے وصال کا وقت ہوا تو اس وقت شاہ صاحب اپنے مریدوں اور فقیروں

عبداللطیف بھٹائی کی دعا سے پیدا ہوئے تھے۔ اور اُن کے مرید بلکہ عاشق تھے۔ مخدوم محمد ہاشم صاحب نے غلام شاہ کلہوڑا کے دربار میں ایک مؤثر درخواست لکھ کر بھیجی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت کے اندر اکثر چیزیں شرع محمدی کے خلاف ہو رہی ہیں۔ آپ کی توجہ اس طرف ہونا چاہیے۔ اگر آپ توجہ نہ فرمائیں گے تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ حاکم ملک میں خدا کا نائب ہوتا ہے۔ اسی کے مذہب پر سارا ملک چلتا ہے۔ زندگی کے متعلق جو نظریہ اس کا ہوتا ہے رعایا بھی اس سے متأثر ہو کر اپنے لیے بھی پھر اسی قسم کی شاہ راہ چن لیتی ہے جو اس نظریہ سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر آپ دینی مسائل کی طرف سے بے پروا ہو جائیں گے۔ تو عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ آپ کی ذاتی رائے میں دین کوئی بہت اہم چیز نہیں ہے۔ اور وہ روز بروز بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔

اس کے جواب میں غلام شاہ کی طرف سے مخدوم صاحب کے نام فارسی زبان میں ایک پروانہ آیا۔ جس کی وجہ سے تمام افسر مخدوم صاحب سے فتاویٰ لینے لگے۔ اور تمام سندھ میں احکام شرعیہ نافذ ہو گئے۔ بعد میں مخدوم صاحب یہاں کے مفتی اعظم مقرر ہو گئے۔ آج تک جتنے فقہی مسائل سندھی زبان میں موجود ہیں سب انھیں کے حوالہ سے ہیں۔

مخدوم محمد ہاشم صاحب نہ صرف سندھ کے زبردست عالم تھے بلکہ ساری اسلامی دنیا آپ کے علمی تبحر کا لوہا مانتی تھی۔ سندھ میں تو یہ عقیدتمندی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ آپ کا نام ضرب المثل کے طور پر لیتے ہیں۔

آپ نیچے اتر کر انکے سرہانے تشریف لے گئے اور فرمایا "اے سستی تو نے کس سے سیکھی۔ جو چیز تجھے نیند میں حاصل ہے وہ ہمیں عالم بیداری میں بھی نصیب نہیں۔" انچہ تو در خواب داری :: مارا در بیداری نیست ۔ یہیں مخدوم محمد ہاشم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مخدوم محمد ہاشم صاحب کے بزرگ عرب کے رہنے والے تھے آپ قبیلہ حارث سے تھے۔ آپکے والد مولوی عبداللطیف صاحب میرپور بھٹورا سندھ میں رہتے تھے یہاں بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۰۴ھ کو مخدوم محمد ہاشم صاحب پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد صاحب سے حاصل کی اس کے بعد ٹھٹھہ میں مخدوم محمد سعید صاحب اور مخدوم ضیاء الدین صاحب سے تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے ۱۱۳۰ھ میں مولوی عبداللطیف صاحب وفات پائی۔ انکی وفات کے بعد بھی آپ ٹھٹھہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور تحصیل علم کے بعد پہلے میرپور بھٹورا کے قریب محراب پور گاؤں میں دینیات کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا لیکن مخدوم محمد ہاشم صاحب کی قدر نہیں ہوئی اور جوں جوں مخدوم صاحب عوام میں شرع محمدی پر چلنے کی تبلیغ و تلقین کرتے سے عوام ان سے بدظن اور انکے مخالف ہوتے جاتے۔ آخر کار مخدوم صاحب نے محراب پور کو خیرباد کہکر ٹھٹھہ میں اقامت اختیار کرلی اور وہیں ایک مدرسہ قائم کیا۔ ٹھٹھہ اسوقت علم و ہنر کا مرکز تھا اور جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے یہاں ہر فرقہ کے بڑے بڑے علماء۔ صوفیاء اور درویش رہتے تھے۔ یہاں علمی مجلس اور بحث و مباحثہ کا بہت زور تھا۔ مخدوم محمد ہاشم صاحب کا مدرسہ بھی ٹھٹھہ میں جم گیا۔ مخدوم صاحب کی تقریروں اور تحریروں کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہوگیا۔ ہر چھوٹا بڑا آپ کی عظمت کا لوہا ماننے لگا ٹھٹھہ میں علماء کی کثیر تعداد کے باوجود خلاف دین اور خلاف شرع اکثر کام ہوتے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں۔ اسلامی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ اسلامی اصول اور شریعت کی پابندی کے لئے حکومت کیطرف سے افسر مقرر ہوتے اور سخت نظر رکھتے

لیکن یہاں کا حال ہی کچھ اور تھا حکومت احکام شرعیہ کی طرف سے بالکل بے نیاز تھی اور اس بات کا ذرا لحاظ نہ کیا جاتا تھا کہ ملک میں کہاں کہاں شرعی احکام کی پابندی ہو رہی ہے اور کہاں نہیں۔

اس وقت وہاں غلام شاہ کلہوڑا حکومت کر رہے تھے۔ یہ شاہ

گ سنتے تھے - یہ بات پابند شرع علمار کے نزدیک معیوب تھی - اس
ے اُن کا ایک بڑا مجمع مخدوم محمد ہاشم صاحب ٹھٹھوی کی سرکردگی میں
شاہ صاحب کے یہاں آیا - "لطائف لطیفی" کے مصنف میر عبدالحسین سانگی
لکھتے ہیں کہ :-

"جب شاہ صاحب کو اِن علمار کی آمد کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے
اپنے فقیروں کو حکم دیا کہ جتنے بھی ساز ہیں ان کو کوٹھری میں رکھ دو - اور
باہر سے زنجیر لگا دو - علمائے دین تشریف لا رہے ہیں - کہیں ان کی نظر
ان پر پڑے - ان کا احترام ہمارا فرض ہے - دستور کے مطابق استقبال
کرنے کے بعد خود شاہ صاحب نے ان علمار سے سوال کیا کہ "ایک پودا
ہے اور عوام کو اس سے فائدہ پہنچنے کی امید ہے - پانی نہ ہونے کی وجہ
سے وہ خشک ہو رہا ہے - تو کیا اُس پودے کو کسی گندے اور غلیظ پانی کے
تالاب سے پانی دے کر اس کی جان بچانا بہتر اور جائز ہے - یا اُس کا خشک
ہونا غلیظ پانی دینے سے بہتر ہے" علمار نے ہم آواز ہو کر کہا کہ اس کی
زندگی زیادہ ضروری ہے پانی خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو - کیونکہ اس سے عوام
کے فائدہ کی توقع ہے - اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے دل میں عشق
حقیقی کا پودا اجڑ پکڑ رہا ہے - جس کی سرسبزی اور شادابی کے لئے نغمۂ و سرود
پانی کا کام دیتے ہیں -"

یہاں پر مصنف "لطائف لطیفی" رقمطراز ہے کہ ان سوالات و جوابات
کے بعد دیکھا گیا کہ کوٹھری کے ساز خود بخود بجنے لگے - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

مثلاً اگر کسی کو زبردست عالم دین کہنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں فلاں شخص آجکل کا مخدوم محمد ہاشم ہے - یا اگر کسی کو اپنی لیاقت پر ناز ہے تو کہتے ہیں کہ دیکھو فلاں شخص اپنے کو مخدوم محمد ہاشم سمجھنے لگا ہے - آپ نے عربی فارسی اور سندھی زبانوں میں ڈیڑھ سو کتابیں لکھیں -

ان کی بعض عربی کتابیں آج بھی جامعہ ازہر میں داخل نصاب ہیں. مخدوم صاحب کے زمانہ میں سندھی زبان میں نثر لکھنے کا بالکل رواج نہ تھا- اس لئے آپ نے جو بھی کتابیں سندھی میں لکھی ہیں ان میں پرانا سندھی رسم الخط استعمال کیا ہے -

۱۱۳۵ھ میں مخدوم صاحب حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے - وہاں آپ کی ملاقات مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بڑے بڑے علماء سے ہوئی - ان علماء پر مخدوم صاحب کی علمی لیاقت کا کافی اثر ہوا- حج سے واپسی پر آپ سورت کے بندر میں مشہور خدا رسیدہ بزرگ سید محمد سعد اللہ کے مرید ہوئے - انھوں نے آپ کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا-

۱۱۳۷ھ میں آپ پھر ٹھٹھہ واپس تشریف لے آئے - اور اپنے فرائض منصبی میں مشغول ہو گئے - ستر برس کی عمر میں ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۱ء میں آپ نے وفات پائی - آپ کا مزار ٹھٹھہ میں مکلی کی پہاڑی پر ہے -

اب دیکھئے شاہ عبداللطیف صاحب بھٹائی اور مخدوم محمد ہاشم صاحب سے کیا باتیں ہیں- شاہ صاحب دوتارے اور ایک تارے پر

محمد ہاشم صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ آج بھی بہت سی اسی طرح کی باتیں ان کے نام کے ساتھ یاد کی جاتی ہیں۔ کعبۃ اللہ کے طواف کے وقت عورتوں اور مردوں کے جدا جدا طواف کا واقعہ بھی آجکل مخدوم محمد ہاشم سے منسوب ہے۔ حالانکہ یہ کام اصل میں مخدوم آدم ٹھٹھوی نے کیا تھا اسی طرح یہ مزامیر والا واقعہ اصل میں مخدوم محمدی کے سامنے کا ہے۔ لیکن خوش عقیدت حضرات نے مخدوم محمد ہاشم سے اسے بھی منسوب کر دیا۔ اصل واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

"مخدوم محمد عاقل رابع نے اپنے دادا مخدوم محمدی متوفی سنہ ۱۱۲۰ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ مخدوم محمدی کے زمانہ میں ایک دفعہ شاہ صاحب کھہڑا ریاست خیرپور میں تشریف لائے۔ مخدوم صاحب کا وہاں قیام تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے دوست میاں سجیڈ لواجنڑ فقیر کے کنوئیں پر منزل کی۔ مخدوم صاحب کو جب شاہ صاحب کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے شاہ صاحب کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ اور اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ شاہ صاحب نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا۔

"اے میرے دوست اگر میں آج نہ آیا تو کل ضرور آؤں گا (کیوں کہ)
جس شخص کے نام پر تیرا نام ہے وہ ہم بے وسیلوں کا بار اُٹھاتا ہے۔"

وعدہ کے مطابق شاہ صاحب دوسرے روز مخدوم محمدی کے مہمان ہوئے۔ شاہ صاحب کا قاعدہ تھا کہ اُن کے ساتھ ہمیشہ گانے والے فقیروں کا ایک طائفہ رہتا تھا۔ شاہ صاحب پچھلے پہر اُٹھتے۔ تہجد کی نماز ادا کرتے۔ اس کے

کوئی خود بخود ان باجوں کو بجا رہا ہے۔ اس پر دیگر علمار اور مخدوم صاحب سخت برہم ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ ہماری موجودگی میں تمھاری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اس قبیح اور خلاف شرع فعل کے مرتکب ہوئے ہم تو ان سازوں کو بند کرنے آئے تھے نہ کہ سننے۔ شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ اس میں اس ناچیز کا کوئی قصور نہیں۔ آپ حضرات خود تشریف لے جا کر دیکھئے کہ اِن مزامیر کو کون بجا رہا ہے۔ علمار اسی جوشِ غضب میں اُٹھے اور کوٹھری کھلوا کر دیکھا کہ وہاں سازندہ کوئی نہ تھا اور ساز بج رہے تھے۔ یہ محیر العقول واقعہ دیکھ کر ان کو سخت تعجب ہوا۔ اور شاہ صاحب سے استفسار کیا۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ چوں کہ درخت کو محض پانی سے سینچنا آپ تمام حضرات نے جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان سازوں کو بجانا شروع کر دیا تاکہ میرے دل کے درخت کی آبیاری ہو۔

مرزا بیگ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ سازوں کے بجنے کی بات کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں۔ یہ مریدوں کی حاشیہ آرائی ہے۔ اس پر مولوی دین محمد صاحب مصنف "لطف اللطیف" فرماتے ہیں کہ واقعی یہ روایت مستند نہیں۔ اس واقعہ کو صرف سانگی صاحب نے لکھا ہے اور مرزا قلیچ بیگ نے وہیں سے نقل کیا ہے۔

اس کے علاوہ سندھ میں مخدوم محمد ہاشم سے عقیدت کا یہ حال ہے کہ گذشتہ زمانہ میں جو بھی شرعی یا دینی کام کسی بھی عالم یا حاکم نے کیا اُسے مخدوم

اس میں سانگی کی روایت کا کوئی حوالہ نہیں۔

روایتیں تو عموماً خوش اعتقادوں کے پردازِ خیال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی اسی طرح کی ایک من گھڑت کہانی ہو۔ لیکن یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مخدوم محمد ہاشم صاحب اور مخدوم محمدی صاحب دونوں حضرات شاہ صاحب کے ہم عصر تھے۔ اور شاہ صاحب ان سے ملتے بھی رہتے تھے۔

اس سفر میں جب شاہ صاحب ٹھٹھہ کی طرف آ رہے تھے تو انھوں نے ایک جگہ کسی شخص کو یہ مصرع بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سنا۔

(سسوئی کہتی ہے کہ) میں اکیلی ہی اپنے پنوں کے پاس جاؤں گی

شاہ صاحب اس آواز سے بہت متاثر ہوئے۔ اور اُس کی طرف بڑھے۔ یہاں تک کہ ایک غار کے کنارے پہنچے۔ شاہ صاحب کو یہ اندازہ ہوا کہ یہ آواز اسی غار سے آ رہی ہے۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئے اور اس غار کے اندر کے آدمی کو سلام کر کے پوچھا کہ بھائی تم کیا کرتے ہو اور یہ کیا کہہ رہے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ میں ساربان ہوں۔ ایک مرتبہ چند احباب کے ساتھ اونٹوں پر سامان لاد کر تجارت کے لئے جا رہا تھا۔ کہ ایک چھوٹی سی بستی سے ہمارا گذر ہوا۔ یہ ہالا شہر کے قریب ہے۔ وہاں فقیروں کی ایک ٹولی چند اشعار گا رہی تھی۔ ان میں سے مجھے ایک شعر بہت پسند آیا۔ لیکن بد نصیبی کہ مجھے وہ شعر بھی پورا نہ یاد رہ سکا۔ بس یہی ایک مصرع مجھے رہ گیا ہے۔ جو میرے وردِ زبان ہے۔ میرے سارے دوست مجھے چھوڑ

بعد اکتارے پر کچھ دیر راگ سے دل بہلاتے تھے۔ کھوڑا میں شاہ صاحب کا یہ دستور لوٹتا دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں مخدوم محمدی صاحب کی نگرانی میں احکام شرعیہ جاری تھے۔ ہر ایک کو شریعت کا پابند ہونا پڑتا تھا۔ کوئی بھی شرعی احکام سے سرمو سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں مزامیر کے ساتھ گانا سننا کیسے ممکن تھا۔ چنانچہ مخدوم صاحب کے خلفاء نے شاہ صاحب سے عرض کی کہ آپ یہاں بغیر ساز کے گانا سن سکتے ہیں۔ یہاں باجہ کی اجازت نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے یہ بات بطیب خاطر منظور کر لی اور تمام ساز ایک کوٹھری میں بند کرا دیئے۔ جب شاہ صاحب تہجد سے فارغ ہوئے اور فقیروں نے گانا شروع کیا تو ساز خود بخود بجنے لگے۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ کوئی شخص کوٹھری میں بیٹھا سازوں کو شاہ صاحب کی ایماء سے چھیڑ رہا ہے۔ یہ بات ایسی نہ تھی کہ کوئی بھی پابند شرع شخص ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیتا چہ جائیکہ مخدوم محمدی صاحب کے خلفاء۔ چنانچہ مخدوم صاحب کے خلفاء نے اس کی اطلاع مخدوم صاحب کو دی کہ بند کوٹھری میں ساز بج رہے ہیں۔ مخدوم صاحب نے اس پر اپنے خلفاء کو سمجھایا۔ اور فرمایا کہ حالتِ جذب میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جب مجذوب پر شرعی حدود عائد نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد شاہ صاحب ایک ہفتہ تک مخدوم صاحب کے مہمان رہے اور دونوں صاحبانِ دل ایک دوسرے سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے

(از تاریخ "آئینۂ جہاں نما" قلمی)

یہ روایت ایک دین دار اور راست گو نے اپنے دادا سے سن کر لکھی ہے

یت طاری ہوئی اور وہ تیورا کے زمین پر گرا۔ اور اپنے پیدا کرنے
سے جا ملا۔ شاہ صاحب پر اس اچانک حادثہ کا بڑا اثر ہوا — وہ
اعت کے لئے سناٹے میں آگئے۔ پھر اُٹھے۔ پتھر اکٹھا کئے اور اس
ر دیا۔

شاہ صاحب کے دل پر اس موت کا ہمیشہ اثر رہا۔ اور اکثر کہا
میں نے اپنی تمام عمر میں اس شہید وفا ایسا، دردمند نہیں دیکھا۔
ٹھٹھہ سے روانہ ہو کر شاہ صاحب گجرات اور کھمبات ہوتے ہوئے
ر پہنچے ہیں۔ یہاں شاہ صاحب کو اپنا وطن یاد آتا ہے۔ بچھڑے
کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی ہے اور فرماتے ہیں۔

روز بروز مجھے اپنے وطن والوں کی جدائی نئی معلوم ہوتی ہے
کر سے ڈیپلا کے راستہ پر روانہ ہوئے۔ اور خیال کیا جاتا ہے
گھاٹ سے پار اُتر کر سندھ واپس آئے ہوں گے۔ سرسازنگ
ماتے ہیں۔

مینہ کی بوندیں ڈھٹ (کے میدانوں) پر پڑیں اور ننگر پارکر کی
ڑھتی رہیں۔ موسلا دھار بارش سے سب تالاب اور جوہر بھر گئے
یہاں پر بیجا نہ ہوگا اگر ہم ڈھٹ کی وضاحت کردیں۔ سندھ اور
درمیانی علاقہ تھل کے دو حصے ہیں۔ ایک ریگستانی حصہ جس کو
کہتے ہیں۔ اور دوسرا پٹ میدانی حصہ جس کو میدانی پٹ کہتے
ننگر پارکر کے بعد شاہ صاحب یا دُور گئے ہوں گے اس کا اندازہ

اب میں ہوں اور یہ مصرع ہے۔ اسی کو دن رات پڑھتا ہوں اور سر دھنتا ہوں۔ شاہ صاحب فوراً سمجھ گئے کہ کوئی درد کا مارا ہے۔ اور یہ شعر اس کے حسب حال ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس سے اس قدر متاثر ہے۔

انھوں نے اس سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں پورا شعر تم کو سنا دوں۔ وہ یہ سنتے ہی بے تاب ہوگیا۔ اور کہنے لگا کہ اندھا کیا مانگے دو آنکھیں نیکی اور پوچھ پوچھ۔ خدا کے لئے جلدی سنا دیجئے۔ اب تاب ضبط نہیں۔ ﷲ میرے صبر کا امتحان نہ لیجئے۔ شاہ صاحب نے تو سنانے ہی کے لئے یہ بات چھیڑی تھی۔ چنانچہ انھوں نے دوسرا مصرع پڑھا۔

مصرع :۔

اور سامنے اونچے اونچے پہاڑ اور درّے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (یہ پہاڑ کی چوٹیاں نہیں) سولی کی نوکیں ہیں۔

وہ شخص یہ مصرع سن کر ہوش میں آگیا۔ اور شاہ صاحب سے التجا کرنے لگا کہ اس سے آگے سنائیں۔ شاہ صاحب نے اس کی درخواست مان لی اور یہ پڑھا :۔

مصرع :۔

وہ درد جو میں اپنے ساتھ لئے پھرتا ہوں تو بھی اس سے ایک جان دو قالب ہو جا۔

شاہ صاحب نے ابھی یہ شعر پورا بھی نہیں کیا تھا کہ اس مستانہ پر

پ ڈیڑھا جھپ سے عمر کوٹ گئے ہوں گے۔ یہی وہ جگہہ ہے جس
مشہور ہے کہ عمر نے ماروئی کو قید کیا تھا۔ عمر کوٹ سے سوا میل
کہ پر رانی مومل کا محل ہے ۔ ایک زمانے میں یہاں نقارے
۔ اونچی اونچی دیواریں تھیں - ہر وقت خدام اندر باہر آتے
ہتے تھے - لیکن آج -

پردہ داری می کند بر طاق کسریٰ عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

ر ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے اب وہاں کچھ بھی نہیں۔ لیکن
ا خیال ہے کہ شاہ صاحب کے زمانہ میں یہ عمارت اچھی حالت
ہو گی۔ شاہ صاحب نے اسے ضرور دیکھا ہوگا۔ اور خیال
ہے کہ شاہ صاحب نے رانی مومل اور رانا کی کہانی یہیں سے
۔

ں کے بعد شاہ صاحب کھاوڑا ہو کر ریاست جیسلمیر پہنچے ہونگے
تعلقہ کھپرا کے ایک گاؤں ہتوں گی کے قریب ہے - وہاں
فاصلہ پر عمر کوٹ اور چھاچھرا کی شمالی حدود ریاست جیسلمیر
ہیں ۔

یاست جیسلمیر سے چل کر شاہ صاحب یہاں سے دس میل کے فاصلہ
ولڈ انٹروں پہنچے ہوں گے۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر ہے ۔ شاہ
سکے ان اشعار سے جو انھوں نے اس شہر سے متعلق فرمائے ہیں

ہم کو اس بات سے ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے وہاں کی اصطلاحا
اور رسم و رواج کا ذکر اپنے یہاں کیا ہے۔

تھل کے جنوبی حصہ میں زمین بنجر اور شور ہے اور اس میں پا
جذب کرنے کی صلاحیت بالکل نہیں۔ بارش کے زمانہ میں یہاں اس قد
کیچڑ ہو جاتی ہے کہ چلنے والے گھٹنے گھٹنے کیچڑ میں دھنس جاتے ہیں
اس وجہ سے بارش کے موسم میں یہاں کے رہنے والے اپنے مویشی لے
میدانوں میں نکل آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس علاقہ کو بارش میں
دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ کس طرح آبادی کا بڑا حصہ میدانو
کی طرف کوچ کر جاتا ہے۔ ان تمام حالات کو انھوں نے مختلف طریقوں
اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔

پاٹور کے بعد شاہ صاحب کھاوڑی سے ہوتے ہوئے ملیر گئے ہوں گ
یہ وہ ملیر نہیں جو کراچی اور لانڈھی کے درمیان ہے۔ ننگر پارکر سے
تقریباً چوبیس میل کے فاصلہ پر بھالوا نام کا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ا
کے قریب سات ٹیلے ہیں۔ انھیں ٹیلوں کی وادی میں ملیر کا گاؤ
آباد تھا۔ ملیر کا عرض تقریباً ڈیڑھ میل تھا۔ اور یہ ماروئی کا وطن ہے
ملیر کے بعد شاہ صاحب ویڑھا جھپ گئے ہوں گے۔ ویڑھا جھ
ڈیپلا سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاہ صاحب نے ماروئی کی زبا
اس کا تذکرہ کیا ہے۔

"وہ کھاوڑی سے چل کر ویڑھا جھپ گئے"

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

خر عاشقِ مجبور کو زلفِ گرہ گیر کشاں کشاں پھر درِ محبوب تک
۔ کوٹری مغل آ تو گئے۔ لیکن جہاں تک نالہ کی رسائی کا تعلق
ز روزِ اول تھا۔ شاہ کے زخم پر تو مرہم نہ رکھا جا سکا۔ لیکن
سف کا بھی ایک یعقوب تھا۔ شاہ صاحب کے والد شاہ حبیب
ت اپنے لڑکے کی یاد میں آنسو بہایا کرتے۔ کبھی اپنے حجرے
وال کے بعد دعائیں مانگتے۔ اور کبھی مخدوم محمد نوح صاحب
کے مزار پر جا کر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ آخر اُن کی دعا بارگاہِ
میں قبول ہوئی۔ اور اس یعقوب کی اپنے یوسف کے جمال
کھر میں آنکھیں روشن ہو گئیں۔ یعنی شاہ صاحب کوٹری
ٹ آئے۔

شاہ صاحب کے سفر کے متعلق آجکل یہ بھی روایت مشہور ہے
را [illegible] ن کی طرف بھی ضرور تشریف لے گئے ہوں گے
شاہ عبداللطیف برّی کا آستانہ ہے۔ اور اکثر لوگ
پر اُس بزرگ کے مزار کے قائل نہیں۔ گمان غالب ہے
شاہ عبداللطیف بھٹائی تھے جو وہاں جا کر برّی کہلانے لگے
بھٹائی اور برّی کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی صحرائی یا
ئی۔ واللہ اعلم بالصواب!

پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے یہ سفر اونٹ پر کیا ہو گا۔ چنانچہ رانے کی
زبانی فرماتے ہیں کہ

اے اونٹ تو ان مالکوں کیلئے آگے بڑھ جنھوں نے تجھے پالا ہے
سید کہتا ہے کہ تو لڈانو کے ڈھلوانوں سے احتیاط سے اُترے۔

کاک کے شہر میں مومل کا محل تھا۔ لڈانا کی پہاڑی اس علاقے
ایک حصہ سے ملتی ہے۔ اسی لئے شاہ صاحب نے اس پہاڑی کے
اس کنارے کو لڈانا کنارا کہا ہے۔

وہاں سے وہ ویڑھا جھپ آئے ہیں۔ اور ڈیپلا۔ رحمکی بازار کے
گاؤں سے ہوتے ہوئے پران گھاٹ پہنچے ہیں۔ اس گھاٹ سے پار
اُتر کر کوٹڑی مغل تشریف لے گئے۔ پران دریائے سندھ کے اس حصے
کا قدیم نام ہے جو ٹنڈا محمد خاں اور تعلقہ بدین سے بہتا تھا۔

شاہ صاحب مدت تک یاد محبوب کو سینے میں لئے۔ سوز دردِ دل
اور درد فراق سے تڑپتے جنگل جنگل روتے رہے۔ بیابانوں کی خاک
چھانی۔ دریا میں تیرتے پھرے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھے۔ بھیانک
غاروں میں اُترے۔ لیکن :-

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے

عشق کی آگ آسانی سے بجھنے والی نہیں۔ یہ تو آہ و فغاں سے
اور لَو دینے لگتی ہے۔

بقول مرزا غالب

گولا نام کا ایک صغیر بچہ زندہ تھا۔ لیکن چند روز کے بعد
ہی عدم ہوا۔ اس پر مغل زادیوں نے محسوس کیا کہ یہ سبب
عبداللطیف بھٹائی کو رنج پہنچانے کی وجہ سے ہوا ہے۔
ت میں حاضر ہوئیں۔ اور اپنے گناہوں پر ندامت ظاہر کی۔
یدہ نے خود کو ہمیشہ کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں
۔ اور شاہ صاحب نے اُن سے شرع محمدی کے مطابق

۔

بی سیدہ نہایت پاک دامن متقی اور پرہیزگار رحنا تون
اور دن رات تلاوتِ قرآن اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتی
اور شاہ صاحب کے مرید اور خادم احترام کی وجہ سے اُنھیں
درات کہا کرتے تھے۔

شاہ صاحب کے یہاں اولاد نہیں ہوئی۔ روایت ہے کہ ایک
جبکہ بی بی صاحبہ حاملہ تھیں تو شاہ صاحب نے اپنے کسی
دُور سے ہانپتے ہوئے آتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم
بی بی صاحبہ چونکہ امید سے ہیں۔ اور اُنھیں سندھ کی مشہور
کھانے کی خواہش ہوئی ہے۔ اور وہ پلیشہ مچھلی لینے کے
تا چلا جا رہا ہے۔

شاہ صاحب کو یہ بات ناگوار لگی اور فرمایا کہ بیٹا! وہ اولاد
کی جو پیدا ہونے سے پہلے میرے فقیروں کو اتنی اذیت

شاہ صاحب کو کوٹری مغل آئے ابھی چند روز گذرے تھے
۱۱۲۱ھ مطابق ۱۷۱۳ء میں قبیلۂ دل کے بعض لیڈروں نے مر
مغل بیگ ارغنوں کے قبیلہ پر جارحانہ حملہ کیا۔ اُس وقت اُن
گھروں میں عورتوں کے علاوہ کوئی بھی مرد موجود نہ تھا۔ اس
اُن لیڈروں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور سب مال و متا
لوٹ کر روانہ ہوئے۔

مغل جب واپس آئے تو پورا محلہ اُجڑا دیکھا۔ اور فوراً تیا
ہو کر اُن لیڈروں کا تعاقب کیا۔ شاہ عبداللطیف نے اُنھیں جا
دیکھ کر اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے کہا۔ لیکن اُنھوں نے ایک
نہ سنی۔ اور شاہ صاحب کو اپنے ساتھ چلنے سے روک دیا۔ اِس پ
شاہ صاحب نے ناراض ہو کر اُنھیں بد دعا کی۔ اور فرمایا:۔

بیگ تھنجی بیگی کوٹڑی میں کان
آتھم آس اللہ میں دَل مارینئی مان

یعنی:۔ اے بیگ اب تیری سرداری کوٹری مغل میں نہیں
رہے گی۔ اور مجھے اپنے خدا سے امید ہے کہ قبیلۂ دَل کے لوگ
تجھے اپنے تیروں کا نشانہ بنائیں گے۔

جو لوگ کشف و کرامات کے قائل ہیں اُن کا کہنا ہے ک
مرزا مغل بیگ اور اُس کے قبیلہ کے سب لوگ شاہ صاحب کی
بد دعا کی وجہ سے قبیلۂ دل کے لیڈروں کے ہاتھوں قتل ہو چکے

وسرے گروہ میں مٹیاری کے آجنانی سادات تھے۔ اور تیسرا مخالف
اکم سندھ میاں نور محمد کلھوڑا (سنہ ۱۷۱۸ء۔ سنہ ۱۷۵۵ء) تھا۔ ان
ینوں مخالفوں نے شاہ صاحب کو بہت تنگ کیا۔ لیکن :-

جس کو راکھے سائیاں مار نہ ساکے کوئے
بال نہ بیکا کر سکے سب جگ بیری ہوئے

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اپنے دادا شاہ عبدالکریم بلڑی والے کا مقبرہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ سنگ مرمر کی اینٹیں خریدنے کے لئے خود ملتان تشریف لے گئے۔ اور واپسی پر اپنی کشتیاں خدا آباد ضلع دادو سندھ کے نزدیک لاکر کھڑی کر دیں۔ خدا آباد اس وقت سندھ کے حکمران میاں نور محمد کلھوڑا کا دارالخلافہ تھا۔ اس نے جب شاہ صاحب کی آمد کی خبر سنی تو اپنے ایک قاصد کے ہاتھوں موتیوں کی معجون کی ڈبیا بطور نذرانہ روانہ کی۔ جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے وہ ڈبیا دریا میں پھینک کر قاصد سے کہا کہ میاں نور محمد سے میرا سلام کہنا۔ اور انھیں یہ بھی بتانا کہ آپ نے ہمارے لئے جو سوغات بھیجی ہے اس سے نہ فقط ہم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ بلکہ بحر عمیق میں جو خدا کی مخلوق ہے اسے بھی مستفیض ہونا ضروری ہے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد قاصد کی موجودگی ہی میں کئی مری ہوئی مچھلیاں پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی نظر آنے لگیں۔

پہنچائے۔ اور اگر پیدا ہوئی تو نہ جانے کیا کیا ستم ڈھائے
کہتے ہیں کہ بی بی صاحبہ کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور پھر اُنھ
دوبارہ اولاد نہیں ہوئی۔

شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اولاد سے کو
سروکار نہیں۔ کیونکہ میری اولاد خود میرے مرید اور فقیر ہیں۔

شادی کے بعد شاہ صاحب کی زندگی ہموار ہو چکی تھی۔ آپ
کچھ وقت شعر و شاعری میں صرف کرتے تھے۔ اور کچھ وقت ریاضت
و عبادت میں۔

شاہ صاحب کے یہاں ہر وقت محفل سماع منعقد ہوا کرتی تھی
جس نے آپ کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگا دیئے تھے۔ دُور دُو
سے لوگ کھنچ کر آپ کی بارگاہ عالیہ میں آکر حاضر ہوتے تھے۔ اور
اس چشمۂ فیوض الٰہی سے سیراب ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔

اس تعلیم الٰہی کا یہ اثر ہوا کہ شاہ صاحب کے مریدوں اور
معتقدوں کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ اور حریفوں کی نظر میں آپ
کی یہ شہرت و عظمت کانٹے کے موافق کھٹکنے لگی۔

شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ صاحب شاہ عبداللطیف کے
دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"شاہ صاحب کے مخالفین میں سے تین گروہ بڑے زبردست
تھے۔ اُن میں سے پہلا گروہ مخدوم نوح ہالائی کی اولاد میں سے تھا

کرتی تھی جس کی وجہ سے مچھر بہت تنگ کیا کرتے تھے۔

یہ مکان اُس وقت بھی آج کی طرح "بھٹ" کہلاتا تھا۔
ں کے معنی ہیں ریت کا ٹیلہ۔ اور بھٹ پر رہنے کی وجہ سے شاہ
بد اللطیف نے بھٹائی کا لقب پایا۔ یعنی ریت کے ٹیلے پر رہنے
لا۔ شاہ صاحب نے اسی ویرانہ کو آباد کیا۔ خود اپنے فقیروں
ساتھ مل کر چند فاصلہ سے چکنی مٹی کی ٹوکریاں سر پہ اُٹھا کر لائے
ر آہستہ آہستہ اپنی رہائش کے لئے جھونپڑی۔ والدین کے لئے
یلی۔ ایک چھوٹی سی مسجد اور فقیروں کے لئے کچے مکانات تعمیر
ئے۔ یہ وہ بھٹ شاہ ہے جہاں آجکل سال بہ سال چودہ صفر سے
ن چار روز تک شاہ صاحب کے عرس کے موقع پر حکومت سندھ
طرف سے اس عالی مرتبت صوفی اور فلسفی شاعر کی یاد میں نہ صرف
ندھ بلکہ پاکستان کے اکثر شعراء، ادباء، صحافیوں اور سیاسی
یڈروں کا ایک زبردست اجتماع ہوتا رہتا ہے۔ اور عنقریب
لیف اکیڈیمی قائم کرنے کی تجویز بھی عمل میں آنے والی ہے۔

شاہ صاحب ابھی بھٹ کی تعمیر میں مصروف تھے کہ آپ کے والد
زرگوار سید حبیب شاہ نے کوٹری مغل میں وفات کی۔ یہ واقعہ
۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء کا ہے۔ اور اُس وقت شاہ صاحب کی
مر ترپن برس کی تھی۔

شاہ صاحب کو اپنے والد کی وفات کی وجہ سے بہت صدمہ

چند روز میں شاہ عبدالکریم کا مقبرہ تعمیر ہو چکا۔ اور اس کے بعد میاں نور محمد کلہوڑا نے شاہ صاحب کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ شاہ صاحب اُن کی ضیافت سے فارغ ہو کر جب واپس لوٹنے لگے تو میاں نور محمد نے ایک سرکش گھوڑی بطور نذرانہ خدمت میں پیش کی۔ شاہ صاحب بغیر لگام کے اُس پر سوار ہوئے اور چند منٹوں کے بعد اُسے زیر کر لیا۔

میاں نور محمد کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ اور آخر میں بجان و دل شاہ صاحب کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔

مشہور ہے کہ میاں نور محمد کو گلاں رنڈی سے بطور معاشقہ عقد کرنے کے بعد میاں غلام شاہ نام کا جو فرزند پیدا ہوا۔ وہ بھی شاہ عبداللطیف بھٹائی کی دعا سے اور شاہ صاحب سے نسبت ہونے کی وجہ سے ہی اس کا نام "غلام شاہ" رکھا گیا۔ یہ وہی میاں غلام شاہ ہیں جن کا ذکر مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اُن کا مقبرہ حیدرآباد سندھ میں سنٹرل جیل کی شمال کی طرف واقع ہے۔

شاہ صاحب اکثر خلوت پسند تھے۔ اس لئے کوٹڑی مغل کو ترک کر کے ہالا جدید سے دو کوس کے فاصلہ پر اپنی قیام گاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ وہاں گرد و نواح میں ریت کے ٹیلے پیلو کے درخت اور کریل اور جھونگر کی جھاڑیاں تھیں۔ ساتھ ساتھ کراڑ نام کی ایک جھیل

ب چھاتے۔ شاہ صاحب کو یہ بات دل سے لگی اور فوراً بھٹ
ہ واپس لوٹ آئے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شاہ صاحب نے واپس آتے ہی
سیاہ ماتمی لباس پہنا۔ اور سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام
غم میں بے عدد مراثی کہے جو کہ آپ کے دیوان میں سُر کیڈارو
نام سے مشہور ہیں۔

لیکن سندھی زبان کے محسنِ اعظم اور شاہ عبداللطیف
ائی پر سب سے زیادہ کام کرنے والے جناب شمس العلماء
ہ عمر بن محمد داؤد پوتہ کی تحقیق کے مطابق سُر کیڈارو شاہ
حب کی تصنیف نہیں۔ بلکہ ہالا کے ایک سندھی شاعر احسان
ر کی دماغی کاوش ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال شاہ صاحب پورے اکیس روز مکاشفہ میں رہے
اس کے بعد نہا دھو کر محفل سماع منعقد کرنے کے لئے حکم صادر
یا۔ اور خود چادر اوڑھ کر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ تین روز متواتر محفل
ر سرود گرم رہی۔ اور تیسرے روز شاہ صاحب کے کسی فقیر نے
یک جا کر دیکھا تو آپ کی روح اس قفس عنصری سے الگ ہو کر
م بالا میں پہنچ چکی تھی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

شاہ صاحب کی وفات ۱۴ صفر ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء

پہنچا۔ لہٰذا کوٹڑی مغل کو باقاعدہ ترک کر کے بھٹ شاہ پر مستقل سکونت اختیار کی۔ اور وہیں اپنے والد بزرگوار کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تیار کرایا۔ اب تو آپ کی ہر جگہ عزت ہونے لگی۔ اور ملک کے مختلف حصوں کے لوگ جوق در جوق بھٹ شاہ پہ آنے لگے۔

کئی ماہر موسیقی قوال اور گانے والے ہندوستان کے مختلف حصوں سے کھنچ کر شاہ عبداللطیف کی خدمت میں پہنچے۔ حتیٰ کہ اٹل اور چنچل نامی ہندوستان کے مشہور موسیقار دہلی سے بھٹ شاہ آئے۔ اور ہمیشہ کے لئے سندھ کو اپنا وطن بنالیا۔ شاہ صاحب کے دربار میں دن رات محفل سماع منعقد ہوا کرتی تھی۔ آپ راگ ستے کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور ساتھ ساتھ اپنے طبعزاد اشعار بھی گنگنایا کرتے تھے۔

شاہ صاحب کی وفات

آخر عمر میں شاہ صاحب کے دل میں کربلائے معلیٰ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ بن سنور کر گھر سے نکلے اور راستہ میں ایک صاحب کرامت درویش سے ملاقات ہوئی۔ درویش نے راز مخفی معلوم کر کے شاہ صاحب سے عرض کی کہ قبلہ آپ تو اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا کفن و دفن بھٹ پہ ہوگا۔ اور اب چلے ہیں پردیس کی

سُر کلیان اور یمن کلیان کے متعلق

شاہ صاحب کا کلام ہندی موسیقی پہ مبنی ہے۔ اور پورے
یوان کی ترتیب بھی ہندی موسیقی کے راگ اور راگنیوں کی مناسبت
سے دی گئی ہے۔ سنسکرت میں کلیان کے معنی ہیں آرام اور خوشی اور
نام اصطلاح میں ایک راگ کا نام ہے۔ جس کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ شدھ کلیان یا شام کلیان۔ ۲۔ یمن یا ایمن کلیان۔
۳۔ بھوپالی کلیان۔ ۴۔ ہمیر کلیان۔ ۵۔ کیدار کلیان۔

سندھی زبان میں راگ کے سب نام سُر کہلاتے ہیں۔ سُر کلیان
ور یمن کلیان میں حمد خدائے ذوالجلال۔ نعت سرورِ کائنات۔ اوصاف
صحابۂ کرام کے بعد سلوک و معرفت کے نہایت باریک نکات بیان
کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک سر کسی نہ کسی خاص مضمون سے آراستہ
ہے۔ جن کا ذکر اس کتاب کے مختلف حصوں میں اپنی اپنی جگہہ پہ کیا
جائے گا۔

ہوئی۔

میاں غلام شاہ کلہوڑا حاکمِ سندھ نے ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۴ء میں جناب شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ مقبرہ کے دروازہ پر کئی فارسی اشعار منقش ہیں۔ اور بحساب ابجد شاہ صاحب کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔ اُن میں سے محمد پناہ رجا کے دو اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

گفت این جا مریدسین ارتحال پیر
گردیدہ محو عشق وجود لطیف میر
زد نعرہ در فراق دگر کرد سینہ چاک
شد محو در مراقبہ جسمِ لطیف خاک

مقبرہ سے شمال کی طرف مسجد کی دیوار پر جو قطعہ لکھا ہوا ہے اُس سے "رضوان حق" سے مادۂ تاریخ کا اظہار ہوتا ہے۔

شاہ صاحب ذوالمناقب سیدی عبداللطیف
آنکہ قطب وقت خود بود دست در مردان حق
چوں زجام ارجعی مخمور نوشش وصل شد
گفت ملہم غیب سال رحلتش "رضوان حق"

—:—

اُردو	سندھی	اُردو	سندھی
گّ	ڳ	س	س
گ	گ	ش	ش
گھ	ڳھ	ص	ص
کاف اور نون کی آواز	ڱ	ض	ض
ل	ل	ط	ط
م	م	ظ	ظ
ن	ن	ع	ع
نون اور ڑ کی آواز	ڻ	غ	غ
و	و	ف	ف
ھ ہ	ھ ه	ق	ق
ء	ء	ک	ڪ
ی ۔ ے	ي	کھ	ک

سندھی اُردو الف بے کا نقشہ

سندھی	اُردو	سندھی	اُردو
ا	ا	ڃ	جیم اور نون کی آواز
ب	ب	چ	چ
ٻ	ب	ڇ	چھ
ڀ	بھ	ح	ح
ت	ت	خ	خ
ٿ	تھ	د	د
ٽ	ٹ	ڌ	دھ
ٺ	ٹھ	ڏ	ڈ
ث	ث	ڊ	ڈ
پ	پ	ڍ	ڈھ
ڦ	پھ	ذ	ذ
ج	ج	ر	ر
ڄ	ج	ڙ	ڑ
جھ	جھ	ز	ز

نک نہیں کہ ہر ایک نے اپنا ایک الگ انداز اختیار کیا۔ جس کی جہاں تک
ق رہی اس نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ سب کا مقصد اصلی پرامن ارتقا
اس کے باوجود عرصہ تک بعض ایسے خیالات جن میں دنیا کی نجات کے
بل مل سکتے ہیں دنیا کی کثیر آبادی کی نظر سے کسی مخصوص زبان کے پابند
نے کی وجہ سے مستور رہے۔

سندھ کے مایۂ ناز شاعر اور مفکر کے خیالات سے ایک عالم بے خبر رہا
لکہ اس کا کلام صرف سندھی زبان تک محدود رہا یہی نہیں بلکہ خود سندھی
ن میں ایک عرصہ تک اس پر کوئی کام نہیں ہوا۔ اور جو ہوا بھی اس میں
ڑب نہیں جس کا یہ شاعر مستحق ہے۔ ایک سندھی مصنف شاہ جب پر
ب لکھتے وقت اپنی تصنیف کا سبب "سندھی زبان کی حفاظت" بتاتا
۔ کیا اس سے شاہ صاحب سے اخلاص کے فقدان کا پتہ نہیں چلتا؟
یہ جملہ اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ سندھی زبان دم توڑ رہی ہے۔ اور
کی زندگی کا آخری سہارا صرف شاہ کا کلام ہے اگر ان کے کلام کی طرف
نظریں پھیر لی جائیں تو سندھی ابدی نیند سو جائے؟ جہاں تک شاہ
مصنف کے اخلاص کا تعلق ہے۔ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن
ں تک سندھی زبان کی زندگی کا تعلق ہے۔ یہ بات مترشح ہوتی
ے کہ آج بھی مختلف زبانوں کے الفاظ سندھی میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں
ں مسخ ہو کر اپنی اصلی شکل بالکل کھو بیٹھے ہیں اور پہچانے تک نہیں
سکتے اور بعض کی انفرادیت مع اعراب کے قائم ہے۔ یہ موت کی نہیں

سندھی زبان اور شاہ عبداللطیف

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کوئی ملک کس حد تک مہذب اور ترقی یافتہ ہے تو پہلے اس ملک کے ادبی سرمایہ کا جائزہ لینا پڑے گا۔ اور خصوصاً اس کے ادب اعلیٰ کا قومی اور ملکی تجربات کا نچوڑ اس کے ادبِ اعلیٰ میں موجود ہوتا ہے، یہ ادب اس وقت عالمگیر اور بین الاقوامی ہو جاتا ہے۔ جب شاعر یا مصنف طبقاتی پابندیوں کے باوجود اپنے طائرِ خیال کو ایسے مقام پر پہونچا دیتا ہے جہاں سے اسے انسان بحیثیت اِنسان کے نظر آنے لگتا ہے اور رومی اور شامی۔ یونانی اور تاتاری کے امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو وہی اُدب ،ادبِ اعلیٰ کہلائے جانے کا مستحق ہے جو زمان و مکان اور رنگ و نسل سے آزاد ہو کر عالمگیر دعلانیت کا حامل ہو۔ جس میں دنیا ایران و تاتار اور زنگ و یورپ میں نہ بانٹی گئی ہو۔ بلکہ روئے زمین ایک ہی آب و گل سے بنی ہو۔

اس دور میں یہ امر بھی مسلم ہو چکا ہے کہ انسانیت ہر گوشہ اور ہر طبقہ کے اندر رہ کر ہمیشہ سے اس بات کے لئے کوشاں رہی ہے کہ وہ دنیا کو شر اور ہنگامہ، اور جنگ و غارت گری سے نجات دلائے۔ اس کو ذاتیاتی تصور سے آزاد کر کے کسی وجودِ مطلق اور مطلق قدروں سے آشنا کرے۔ اس

ں پر اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ " وہ متبسم
ب فرماتے ہیں کہ محبوب کا ہاتھ کہاں ہے؟"
ٹ کا ہاتھ کہاں ہے میں صرف ایک بات کا
ہلتا ہے کہ پوچھنے والا یہ جاننا چاہتا ہے کہ
شق اپنے محبوب کا ہاتھ جانتا بھی ہے یا
ں۔ لیکن محبوب کا ہاتھ کہاں؟ کا لطف
کچھ اور ہے۔ اس میں ایک طرف تو وہ
تا ہے کہ وہ ہاتھ کس جگہ ہے اور دوسری
ف ضمنی طور پر۔ اس استفہام سے یہ بھی
ر کر دینا چاہتا ہے کہ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ
ب تجھے ہاتھ سے قتل کرتا ہے تو یہ تیری کوتاہ
ری ہے۔

اس کے انداز نرالے ہیں وہ ہاتھوں کا محتاج
ں۔

اس وجہ سے کہاں ہے کا یہاں سندھی سے لفظی
جمہ کرکے اس لطف کو قائم رکھنے کی
شش کی گئی ہے۔

باوجود اپنی اس انتہائی کوشش کے ہم
وی نہیں کرسکتے کہ یہ ترجمہ اغلاط سے

بلکہ زندگی کی دلیل ہے۔ کوئی زندہ زبان اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اس میں کسی دوسری زبان کے الفاظ موجود نہیں۔ کسی زبان میں اس وقت تک جذب و انجذاب کی عالمگیر صلاحیت پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ مختلف ماحولوں سے اپنی ضروریات اور ادائیگی مطلب کے لئے نت نئے الفاظ کا انتخاب نہ کرتی رہتی ہو۔ اس لئے یہ سوال تو اٹھتا ہی نہیں کہ سندھی زبان کسی عنوان سے بھی موت کے قریب ہے۔ وہ ایک زندہ زبان ہے۔ اور ہر نئے موسم میں اس پر نیا نکھار آتا رہیگا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس منظوم اردو ترجمہ کا ایک حصہ مکمل ہوچکا ہے اور ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ ہم اس منظوم اردو ترجمہ کے دوسرے حصے بھی پیش کریں گے۔

منظوم اردو ترجمہ میں سب سے زیادہ اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ لطف جو شاہ صاحب کے کلام میں موجود ہے۔ اردو میں منتقل کردیا جائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ نفس مطلب میں ذرا بھی فرق نہ آئے اگر بالکل لفظی ترجمہ کیا جاتا تو ترجمہ تو بے شک قانونی ہوتا لیکن لذت اور چاشنی کا خون ہوجاتا۔

بعض مقامات پر ایسے ٹکڑے آئے ہیں۔ جن کے دو معنی نکلتے ہیں کوشش یہ کی گئی ہے کہ یہ شان قائم رہے۔ مثلاً

پا ہو هيو پڇين ڪٿي هٿ حبيبٔ جو

وہ متبسم زیر لب سوال کرتے ہیں کہ محبوب کا ہاتھ کہاں؟

فہرست دیوان

صفحہ	عنوان
	کلیان راگ
۳	داستان اول
۲۳	داستان دوئم
۴۷	داستان سوئم
	ایمن کلیان راگ
۶۵	داستان اول
۸۱	داستان دوئم
۹۵	داستان سوئم
۱۱۹	داستان چہارم

☆

پاک ہے۔

ہم ان تمام اردو داں اور سندھی داں حضرات کے ممنون ہوں گے جو زبان یا ترجمہ کی غلطی سے ہمیں آگاہ فرمائیں گے۔

آخر میں ہم ان احباب کا شکریہ ادا کریں گے جنھوں نے وقتاً فوقتاً اس کتاب کے سلسلہ میں ہماری اعانت فرمائی ہے

محترم محمد طاہر فاروقی لکچرار ٹریننگ کالج حیدرآباد

محترم لطف اللہ بدوی لکچرار گورنمنٹ کالج شکارپور سندھ جنھوں نے ہمارے نسخہ کو دیکھ کر ہماری ہمت افزائی فرمائی۔

رشید اشاری

۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۴ء — حیدرآباد سندھ — (پاکستان)

شاهہ جو رسالو

يَعنِي

ديوانِ لطيف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلیان راگ

فصل اوّل

(۱)

بس ! وہی اللہ ہے قائم، قدیم
مالک الملک، اوّل و اعلیٰ علیم
والی و رازق، احد ربّ الرّحیم
اس کو سچا جان۔ کر حمد حکیم
صانعِ مطلق ہے وہ قادر کریم
اسکی صنعت سے ہے عالم مستقیم

(۲)

صنعتِ عالم ہوئی جب استوار
دیدیا احمد کو کلی اختیار
جملہ عالم سے کہا طاعت کرو
اُس کریم لنفس پر کلمہ پڑھو
جب " اَنا مولاکَ " حق نے کہدیا
ساتھ اُس کے " انتَ محبوبی " کہا
کہدے اے عبد[1]! کہ پھر مصطفےٰ

[1] سید شاہ عبداللطیف بھٹائی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُرڪلياڻ

داستان پهريون

(١)

اوّلِ، اللهُ، عَلِيمُ، اَعليٰ، عَالَمَ جو ڌَڻي،
قادِرُ پنهنجي قُدرَت سين، قائِمُ آهِ قَدِيمُ
والي، واحِدُ، وَحدَ لا، رازِقُ، رَبُّ، رَحِيمُ
سو ساراهِ سَچو ڌَڻي، چَئِي حَمدُ حَڪِيمُ
ڪَري پاڻُ ڪَرِيمُ، جوڙُون جوڙ جَهان جُون

(٢)

جوڙي جوڙ جَهان جي، مَڃِن جوڙ پائين
نانءِ ندُ خاصُ خلقي، مُحَمَّدُ مُڪائين
ڪلمو تنهن ڪريم ني، چئو چايائين
"اَنا مولاڪَ وَ اَنتَ محبوبي" ائين اُنائين

دونوں عالم کو مزیّن کر دیا

(۳)

صنعتِ حق سے نمایاں حق ہوا
حق کے حامی بن گئے خود مصطفےٰ
ہادیٔ دیں. ہاشمی، خیر الورےٰ
سیّد الکونین فخرِ انبیاء!
مسجدِ نبوی میں تھے وہ شاہِ دیں
نورِ حق، نورِ ھدےٰ، نورِ مُبیں
زینتِ بزمِ صحابہ نامدار
اُن کی صحبت میں تھے بہتر چار یار

(۴)

"وَحْدَہٗ" اور "لَاشَرِیکَ لَہٗ" سے ڈر
فرض، واجب، سُنّتیں مت ترک کر
دل سے پڑھ تسبیح استغفار کو
راہ پر لا نفسِ نا ہنجار کو:
تاکہ مت چھوئے تجھے نارِ سقر
کر نہ شرعِ مصطفےٰ سے در گذر.

(۵)

"وَحْدَہٗ" اور "لَاشَرِیکَ لَہٗ" اگر!

ڏِکي ڏِنا ڀَئِين، ٻَئِي سَرائُون سَيدُ چي

(٣)

جوڙي جوڙَ جهانَ جي، پاڻُ ڪِيائين پَروارُ
حامِي هادِي، هاشِمِي سردارَنِ سَردارُ
سُنهِي صحابَنِ سَتَ مِ مَنجهه مَسجِد مَيادارُ
چارِئِي چَڱا چو ڏارُ، هُنا هيڪاندا حَبيبَ سين

(٤)

"وَحدَهٗ لَاشَرِيڪَ لَهٗ" جَنِ جُونَد وآءٌ
فَرضَ، واجِبَ، سُنَّتُون، تِسُون ترڪ مَياءِ
تَوبَهَ سَندِي تَسبيحَ، پَڙهَنَ ساڻُ پُڄاءِ
نانگا پَنهِنجي نَفسَ کي، ڪامَنِئن راهِ سُونهاءِ
تَهَ سَندِي دوزَخَ باهِ، تو اوڏِ بالِئِي نَه اَچي

(٥)

"وَحدَهٗ لَاشَرِيڪَ لَهٗ" جان تو چَئِين اِيئَن

صدقِ دل سے کہدیا تو یاد کر!
مان لے تو حضرتِ احمد کی ذات
باعثِ تخلیقِ جملہ کائنات
کر یقیں اُس سیّدِ ابرار پر!
سرنگوں ہے کیوں درِ اغیار پر

(۶)

کرچکے جو نیک خصلت نیک ذات
"وحدہٗ" اور "لاشریکَ لہٗ" کی بات
صدق دل سے یہ ہوا ان کو یقیں
فخرِ دنیا رحمتہُ اللعالمین
ہیں محمد مصطفےٰ عالی صفات
باعث تخلیق جملہ کائنات
غیر ممکن تھا کہ اُن کو راہ سے
کوئی دریا کا کرارہ[1] روک لے

(۷)

جس نے ایمان کا ثبوت اپنے دیا
"وحدہٗ" اور "لاشریکَ لہٗ" کہا
اُس کو ہے قلب و لساں سے یہ یقیں
فخرِ دنیا رحمتہُ اللعالمین

---

[1] ناہموار یا چپٹا کنارہ

تان مڃ مُحَمَّدُ ڪارڻِ، نرتوَن مَنجهان نِهنَ
تان ٿون وِڃيو ڪِيئن، نا ڀين سرَ ڀين کي

٦

"وَحدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ"، جَڏِهن ڄيو جَنّ
تَن مَڃِيو مُحَمَّدُ ڪارڻِ، هِجان ساڻ هِتّنِ
نَڏِ هن مَنجهان نَتِّ، اَوَ تَرِڪون اورليو

٧

وَحدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، جَنِ اُتوسين ايمانُ
تَنِ مَڃيو مُحَمَّدُ ڪارڻِ، قلب ساڻُ لِسانُ

ہیں محمد مصطفیٰؐ عالی صفات
باعثِ تخلیقِ جملہ کائنات
جو کہ فائق ہے، اسے کیوں راہ سے
کوئی دریا کا کرارہ روک لے

(۸)

کیوں کرارے سے رُکیں وہ صاف دل
جن کی ساحل پر نظر ہے مستقل
عالم و عارف، موحّد، پارسا
ایک ہیں ذاتِ اَحد سے حق نما
حق سے ہیں روزِ ازل سے آشنا
حق کی نظروں میں ہیں دُرِّ بے بہا

(۹)

حق کی نظروں میں مجسّم نور ہیں
حق پرستی میں نہ وہ مجبور ہیں
وہ حوادث سے نہیں زار و زبوں
شان ہے ان کی " وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"
وہ ازل کے روز سے معمور ہیں
پیشِ حق خوش بخت ہیں منظور ہیں

(۱۰)

اُو ءِ فائق مِ فرمانَ، آوَ تڙِڪنِهن نه اوليا

۸

اُوُ تڙِڪنهن نہ اوليا، سُترِ وِيا سارِ
هيڪائِيءَ هيڪ ٿيا، اَحدَ سين عالم
بي بها بالمِ آئِي ڪيا اِڳهم!

۹

آئي ڪيا اڳهم، نسو رويءَ نُوڙُ،
لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، تن ڪوني سُوڙُ
مولي ڪيو مکمور، انگَ ازلَ مِ اِنِ جو،

کٹ چلے جو "وَحْدَہٗ" کی چاہ میں
غرق ہیں وہ ذکر "اِلا اللّٰہ" میں
وہ حقیقت سے نہیں منہ موڑتے
وزنِ دل سے ہیں طریقت تولتے
معرفت کی لب پہ ہے مہر سکوت
اِک نئے عالم کا دیتے ہیں ثبوت
پر الم ہیں چین سے سوتے نہیں
وقت کو آرام میں کھوتے نہیں
اے لطیفؔ اِس ڈھب کے جو عشاق تھے
اُن کے سر شانوں سے بالکل کٹ گئے

(۱۱)

کٹ چکے جو "وَحْدَہٗ" کی چاہ سے
ہو گئے دو نیم "اِلا اللّٰہ" سے
اُن کے ہونٹوں سے یہی نکلی صدا
ہیں رسولِ حق محمّد مصطفےٰ
اُن کے دل جب جزوِ ایماں ہو گئے
تب سے وہ کامل مسلماں ہو گئے
گامزن اِس راہ پر عشاق ہیں
اے لطیفؔ اس کے وہی مصداق ہیں

وَحْدَهٗ جي وَديا، اِلَّا اللهُ، سِين اورين
هِنيُون حَقيقَتَ گَڏِيو، طَرِيقَتَ تورِين
مَعرِفَتَ جي مانَ سين، ڏِيسانڌرَ ڌورِين
سُکِ نه سُتا ڪَڏِهِين، ويهي نه ور۽ين
ڪُلِهنِئُون ڪورِين، عاشِقَ عَبْدُ اللَّطِيفُ جي

(١١)

وَحدَهٗ جي وَيِيا، اِلَّا اللهُ اَڏَ ڪيا،
مُحَمَّدُ رَسُولُ جَي ۽ مُسلمان ٿِيا،
عَاشِقَ عَبدُ اللَّطِيفُ جي، اِنهِمَ پَهِ پيا،

کر دیا مالک نے ان کو صاف دل
ہو گئے وحدت میں شامل مستقل

(۱۲)

کٹ چکے جو "وَحْدَہٗ" کے بیم سے
ہیں وہ "اِلا اللّٰہ" میں دو نیم سے
ان کے سر کو دیکھ کر بے جسم دجال
کون سا کم بخت آئے گا وہاں

(۱۳)

ڈھونڈتا ہوں سر، تو دھڑ مفقود ہے
ڈھونڈتا ہوں دھڑ تو سر نابود ہے
کس نے کاٹے ہاتھ، قسمت بٹ چکی
اور ہر انگلی کلائی کٹ چکی!
شادیٔ وحدت میں جو جانے لگے
کٹ کے لطفِ زندگی پانے لگے

(۱۴)

کیا ارے بہرے! نہیں تو نے سنا؟
"وحدہٗ" اور "لاشریک لہٗ" بجتا!
بند تیرے کان ہیں اِس راز سے
دل کے گھوڑوں کی اسی آواز سے

(۱۲)

وَحُدَهٗ جي وَدِيا ، كِيا اِلَّا اللهُ آ ذ
سي ذَرَّ پَسِيي سَنَدا ، كِنهن آ پا گي نه تِئي

(۱۳)

سِرُدُ و ني يان ذَرُّ نه نهان، ذرُّدُوني يان سِرُ
هَتَ، كَرايُون ، آگَربُون ، وِياكَنِي كَا ن
وَحدَتَ جي وِهان ۾ ، جي وِيا، سي وِدِ ب

(۱۴)

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، بُدَ ۾ نه بوز ا
كِ تو كَنين نه سُتا ، جبي گهَتَ اِندَرِ گهوز

روئے گا آٹھ آٹھ آنسو بے پناہ
سامنے آئیں گے تیرے جب گواہ

(۱۵)

لوحِ دل پر ثبت کر تو صبح و شام
" وَحْدَہٗ " اور " لاشریک لہٗ " کا نام
اس زمانہ میں ہے تیری ہار جیت
مت لگانا غیر سے دل کی پریت
اپنے پیاروں میں تو پائے گا مقام
خود کہیں گے بھر کی پی جنت کا جام

(۱۶)

" وَحْدَہٗ " اور " لَاشَرِیْکَ لَہٗ " ہے حق
اس سے روشن ہوتے ہیں چودہ طبق
جو ہم آغوشِ دوئی ہونے لگے
حق کی راہیں خود بخود کھونے لگے

(۱۷)

وہ نہیں عاشق ، نہ وہ معشوق ہے
وہ نہیں خالق ، نہ وہ مخلوق ہے
اس حقیقت میں تو بالکل خام ہے
مقصدِ عرفان میں بھی ناکام ہے

ڳاڙِ ييندِ ڳوڙها، جِت شاهِدَ تِندَ ءِ سامُهان

(١٥)

"وَحدَهٗ لَاشَرِيكَ لَهٗ" اِيُ وهائِجُ وِيُّ،
ڪُتِين جي هارَا ئِيِن، مَنڌُ تُنهِنجو هِيَّ
پاٽان چُندَءِ پِيُ، پِرَيِ جامُ جَنَّتَ جو،

(١٦)

"وَحدَهٗ لَاشَرِيكَ لَهٗ" اِيُ هيڪڙائِيُ حَقُ
پيارِئِي ڪي پَڪُ، جَنِ وِڌو، سي وَرِسيا

(١٧)

عاشِقَ جِنَڱو مَر اُن ڪِي، مَرڪِي جِنءُ مَعشُوقُ
خالِقُ جِنءُ مَر خامَ تُون، مَرڪِي جِنءُ مَخلُوقُ

اُس پہ کر رازِ حقیقت آشکار !
زلیست کا جامہ ہو جس کے تارتار

(۱۸)

"کثرت از وحدت ز وحدت کثرت است
وحدت اندر وحدت اندر وحدت است"
بھول مت وہ درحقیقت ایک ہے
ایک ہے ہر فعل اس کا نیک ہے
سب میں ہے مظہر اسی محبوب کا
شور ہے واللہ اُس مطلوب کا

(۱۹)

خود ہے "جلّ جلالہٗ" جان جمال
صورت محبوب اور حُسنِ کمال
خود مرید و پیر اور خود ہے خیال
خود ہے اپنا مثل اور خود بےمثال
سب میں ہے موجود سب کا رازدار
دل سے ہوتا ہے یہ سب کچھ آشکار

(۲۰)

دیکھتا ہے خود کو خود محبوب ہے
خود ہے طالب اور خود مطلوب ہے

سَلِيجِ تهِين سُلوڪُ، جو نا تِصئان نِگيو

(١٨)

وَحدَ تان ڪَثرَتَ ٿِي، ڪَثرَتَ وَحدَت ڪُ
حَقُ حَقِيقِي هِيڪڙو، بولِي ٻِي مَ سِيُل
هو هُلا چو هُلُ، بِاللهِ سَند وِسَجَّڻ

(١٩)

پاڻِه جَلّ جَلالَهُ، پاڻِه جَانِ جمَالُ
پاڻِه صُورَتَ پِرِين جِي، پاڻِه حُسُنُ ڪمَالُ
پاڻِه پِيرُ مُرِيدُ ٿِئي، پاڻِه پاڻُ خَيَالُ
سَڀ سَڀوئِي حالُ، مَنجهانئِي مَعلوم ٿِئي

(٢٠)

پاڻِه پَسي پاڻَ کي، پاڻِه ٿِئي مَحبُوبُ

اپنی ہر خوبی کا خود طالب ہے وہ
حسن کی خود جان اور قالب ہے وہ

(۲۱)

یہ بھی وہ ہے، وہ بھی وہ ہے وہ اجل
سب میں ہے اللہ کا دخل و عمل
سب کا وہ ہمدرد روح کائنات
وہ مخالف، وہ معاون، وہ حیات

(۲۲)

ہر ندا ہے اصل ہر بانگ و نوا
اس حقیقت سے تو ہو جا آشنا
ابتدا میں دونوں بالکل ایک تھیں
جب سنا کانوں نے تو دو ہو گئیں

(۲۳)

لاکھ دروازوں کا قصر پر سماں
اور ہر جانب کروڑوں کھڑکیاں
جس طرف بھی دیکھتا ہوں سر بسر
اس طرف آتا ہے وہ مالک نظر

(۲۴)

تیری صورت کا ہے لاکھوں میں شمار

پاڻهه خلقِ خوب، پاڻهه طالب تنِ جو،

(۲۱)

سو هيءُ، سو هُوءِ، سو اَجَلُ، سو الله،
سو پرين، سو پساهُ، سو ويري، سو واهرو،

(۲۲)

پَڙاڏو سو سَڏُ، وَرُ وائيءُ جو جي لهين
هُنَّا اَگهِہ گَڏُ، پُڏَٽ ۾ بہ ٿيا

(۲۳)

ايڪَ قَمَرُ ڏَرَ لکَ، کوڙين ڪَٽِس گُڙ کيوُن
جيڏانهه انهنَ ڪَرِيان نِرَکَ، تيڏانهن انهنَ صاحبُ سامهون

(۲۴)

کوڙين ڪايائون تنهنجيون، لِکَنِ لکَ هزارَ،

ایک ہے قالب کے ہیں سب جاندار
صرف صورت میں ہے سب کو اختلاف
یہ کرشمے سب ترے ہیں صاف صاف
اے مرے محبوب میرے جسم و جاں
کیا کروں اوصاف کا تیرے بیاں ،

کافی

ہر عبادت میں خیالِ یار ہے
اس کا ہر اک طالبِ دیدار ہے
سب سے ہیں آنکھیں مقدم عشق میں
یار کی صورت سے اُن کو پیار ہے
ہے مگر خوبی نہاں اس بات میں
جس پہ قائم عشق کا معیار ہے
پیار اُس سے صرف آنکھوں کا نہیں
اک انوکھی لذّتِ گفتار ہے
التجا جو کچھ بھی کرتا ہے لطیف
خوب واقف اُس سے وہ دلدار ہے

★

جيءَ سپڪنهن جي سين درسڻ ڏارو ڏارُ
پَرِ ييَرِ تُنهنجا پارَ، کهڙا چُئي ڪَئِن پِيَان

وائي

سيڪا پِرِيان کُون پوڄي،
نينهَن نيڻين، گُڙُ ڳالِ وهِ،
جا چِتا يم چِت ۾ سِڄڻ سالتو سُڄهي
نينهَن نيڻين، گُڙ ڳالِ وهِ،
لاٽ جا لطيف جي، سنڌ تنهنجو سُڄهي
نينهَن نيڻين، گُڙ ڳالِ وهِ،

★

فصلِ دوم

(۱)

مرحبا اے دردِ دل دردِ درون
وہ بھی ہیں کچھ آج کل زار و زبون
طے ہوئی جب منزلِ دار و رسن
کٹ گئے تب خود بخود رنج و محن

(۲)

چھوڑ اندھے ویدؔ مجھ سے دور جا
جسم کو میرے نہ داغوں سے جلا
ہم مریضِ عشق ہیں جاہل نہ بن
کھیچ[۲] ہم کو مت پلا قاتل نہ بن
سیج ہے سولی بھی جن کے واسطے
موت وجہ وید ہے اُن کے لئے

(۳)

آج سولی نے دیا پیغام ہے
ہر سہیلی کو صلائے عام ہے
بس! وہی جائیں گی جو دل کھو چکیں
عشق و غم کی نام لیوا ہو چکیں

(۴)

حکیم - طبیب ۔ [illegible] اُبلے ہوئے چاولوں کا پانی ۔

داستان ٻيو

(۱)

اَڳِي اَگهائِي، ڏَڍُ پِريان کي رَسِيو
چَڪِيَمَ چَڱائِي، سورا نگهي سُورِيءَ تان

(۲)

اَندَر اُوندَهه رُوح! کَلَ ڪُهجار يا کاڻِيئين؟
اَسان ڏُکي ڏيلَ ۾، تُون پِيارِيين پيچَ،
سُورِيءَ جَنين سيج، مَرَڻُ تَنِ مُشاهِدو

(۳)

سُورِيءَ سَڏُ ٿِيو، ڪا هَلَندِي جيڏيُون؟
وَڃَڻُ تَنِ پِيو، نالو نينهَن گِڏَهن جو

(۴)

آج سولی نے پکارا زور سے
"کون ہے جو خود بخود آگے بڑھے"
سوزِ الفت کی تجھے خواہش ہے اگر
اک قدم پیچھے نہ ہٹ، ہرگز نہ ڈر
سر کو اپنے دھڑ سے کر فوراً جُدا
بعد اس کے کھوج اُلفت کا لگا

(۵)

وار سے عاشق کا ہے قائم شباب
ہے پلٹنا، لوٹنا، اس پر عذاب
اپنے نظارہ میں بیشک طاق ہے
کٹ کے مَرنا وعدۂ عشّاق ہے

(۶)

ہو چکی سُولی عیاں میثاق سے
بن گئی آراستہ عُشّاق سے
اے لطیفؔ اصلاً نڈر ہیں حق شناس
سر ہیں نیزوں پر، نہیں اُن پر ہراس
سرفدا سولی پہ ہے ہر حال میں
کیوں نہ لٹکیں عشق کی چنگال[1] میں

(۷)

---

[1] لفظ "کنارہ" [illegible] کیا ہے عربی [illegible] اسے "کنارہ" کہتے ہیں یعنی لوہے کے
سیخ قصاب گوشت کی رانیں لٹکاتے ہیں اور اسے "چنگال" کہتے ہیں سولی کے نیزوں کو [illegible]

شُورِي سَنڌ ڪَرَي، اُنِي عَاشِقَن کِي ،
جِبي اَشيُءَ سَنڌ سِڪَڻ ۾، تہ ڪُوهُ مَرِيزِيرِي
سِيسِي ڏَارَ ڏَرِي، پِيچِج پوءِ پِرِ يَتَوُن ،

(۵)

شُورِيَ آهِ سِنگارُ، اُکِهين عَاشِقَن جو
مُرَڻُ، موتَ مِيَحَنُون، تِيَا نَظَارِي نِروارُ
ڪُسَڻ جو قَرَارُ، اصلِ عَاشِقَنِ کِي ،

(۶)

شُورِيَ سِنگَارِي، اَصلِ عَاشِقَن کِي ،
لُڏِ يا ڪِينَ لَطِيفُ چِي، تِيَا نيزِي نِظَارِي
ڪو نيو ڪِنَارِي، آنِيو چَاڙهِي اُن کِي

(۷)

آج کیوں سُولی پہ ہیں احباب خوش
دل فگار و عاشقِ بے تاب خوش
اُن کی آنکھوں میں ہے جب عشقِ حسین
سیج کا سُولی پہ ہوتا ہے یقیں!

(۸)

سیج پانا عاشقوں میں عام ہے
دار پر چڑھنا بھی اُن کا کام ہے
اُن کو پیچھے کی نہیں ہرگز خبر
سامنے بڑھتے ہیں وہ خالص بشر

(۹)

جن کے دل میں عشق کا ہے درد و سوز
بن سنور کر دار پر چڑھتے ہیں روز
تو بھی راہِ عشق کو ہرگز نہ چھوڑ
الفتِ جاناں سے مطلق منہ نہ موڑ
عشق کا مرکز تمہارے دل میں ہے
بس یہ نظارہ اِسی محفل میں ہے

(۱۰)

سب سے اول پھیر گردن پر چھُری
پوچھ اس کے بعد رازِ دوستی!

سُورِيَ مَٿي سيڻَ ، ڪَهڙِي ليکي سَزا
جيڪَهِ لَڳا نيڻَ، تِي سُورِيائِي سيج ٿِي ،

(٨)

سُورِيَ چَڙهَڻُ ، سيجَ پَسَڻُ ، اِيُ ڪَمُ عاشِقَنِ
پاڇُون ڪِينَ پَسَنِ، سائُو هَلَنِ سامُهان،

(٩)

سُورِيَ جي سَوارَ، ڏِيهاڙئُو چَنگِ چڙهين
جِمَ وِرچي چَڏِ يين ، سِڪَڻَ جي پچارَ .
پِرِتِ نه پَسين پارَ، پِنهِنجو جِمائين سِگيو

(١٠)

پهرِين ڪاتي پاءِ ، پڇج پوءِ پرِ ينتوُن،

چھیڑ اپنے دل میں سازِ دردِ دوست
اور ہو میخوں پہ بختہ گوشت و پوست
نام لیوا ہے محبت کا اگر!
امتحانِ عشق سے ہرگز نہ ڈر

(۱۱)

یہ چھری مجرم نہیں دستہ کے ساتھ
کاٹنے والے کا ہے دونوں میں ہاتھ
دیکھکر محبوب کا سر پر ایک
لحظہ میں لوہا بھی جاتا ہے لچک
عشقِ خوباں میں عیاں عشاق ہیں
دردِ فرقت میں ہمیشہ طاق ہیں

(۱۲)

کند ہو محبوب کی میرے چھری
اُس کی تیزی سے ہے بہتر کند گی
تاکہ وہ کاٹے نہیں تیزی کے ساتھ
دیر تک گردن پہ ہوں دلبر کے ہاتھ

(۱۳)

جس چھری کو ہاتھ میں لیتا ہے دوست
کھینچتی ہے جسم سے وہ گوشت پوست

لوہے کا ہتھیار یعنی چھری (مجازِ مرسل)

ڏُکُ پِريان جو ڏِيلَ ۾ واڄَٽَ جِئَن وَڄاءِ
سِيخُن ماهُ پچارءِ، جي نالو گهُرٽءِ پِنهَنَ جو

(۱۱)

ڪاتي ڪونه ڏوهُ، ڳَنُ وَڍِ ندَڙ هَٿَ ۾
لَسِيو پَرِ عَجِيبَ جي لِکِيو وَڃي لوءَ
عَاشِقَنِ اَندوهُ، سَدا معشوقَنِ جو

(۱۲)

ڪاتي تِکي مَ ٿِيءُ، مَرُ مُنيائِي هوءِ
مانَ ورمَنِ ٿوءِ، مُون پِرِيان جا هَٿَڙا

(۱۳)

ڪاتي جا تَرِيبَ جي، ساهَڻ ڇيري ڇَمُ

عاشقوں نے بہرِ حق با حوصلہ
کاٹ ڈالا جسم کا سر بو تھڑا

(۱۴)

تو نے دستورِ محبت کو اگر!
دل سے سیکھا ہے تو اتنا یاد کر
جب چھری پھرنے لگے کر بند آہ
ضبطِ دل سے کام لے اور مت کراہ
دردِ جاناں کا نہ دے لوگوں کو بھید
اس کو رکھ محفوظ دل میں کر کے چھید
دردِ دلبر دل کا نذرانہ سمجھ
اور دل کو اُس کا تہ خانہ سمجھ

(۱۵)

سر کٹانا ہے تو بیٹھ آرام سے
ورنہ اُٹھ جا اور اپنی راہ لے
اس جگہ چلتی ہے اُن حکّام کی
جن کے ہاتھوں سے لٹکتی ہے چھری

(۱۶)

پھر رہی ہے جن کی گردن پر چھری
میرے دل کو اُن سے الفت ہو گئی

عاشقن پنهنجو اَگ ، الله ڪارڻ وڌيو

(١٤)

جي تو سڪڻ سکيو، نہ ڪاڻي پٽيءَ مڪنجھ
سپيريان جي سور جو، مارڻ ڏجي نہ منجھ
اندر راڄ اهنج، ساڻي ۾ سکائون ڪري

(١٥)

جان وڃي تان ويهہ، نہ تہ ونيو واتڻ اتون
هي تنين جو ڏيهہ، ڪاڻي جنين هٿ ۾

(١٦)

ڪاڻي جن ڳري، مان لنوءُ لڳو تن سين

براہ الفت میں ذرا آگے بڑھو ل
شوق سے اڈّی[1] پہ سر جا کر دھروں
تاکہ مجھ کو ذبح وہ دلبر کرے
اور دل کو درد کا خوگر کرے

(۱۷)

آڈیوں کے پاس کچھ پہلے بھی تھے
سر اٹھا کر دوسرے بھی آگئے
سر کٹانے کی نہ کم اجرت سمجھ
بلکہ تو اپنی قبولیت سمجھ
کیا نہیں دیکھے یہ مقتولوں کے سر
جو نظر آتے ہیں فرشِ خاک پر
یہ کلالوں کی ہے جو راہے پہ ہاٹ[2]
حسن کے در پر ہے غضب کی مار کاٹ

(۱۸)

دوڑ جا اے طالبِ مے خوش لقب
ہے کلالوں کی اگر بھٹی قریب
اے لطیف اس حال سے مت ہو اداس
سر کٹا کر پھینک دے مٹکے کے پاس
تو بھی دولہا بن ہے گر تیرا شباب

[1] لکڑی کا ٹکڑا جس پر گوشت یا کوئی دوسری چیز رکھ کر کاٹی اور کچلی جاتی ہے۔ [2] دوکان۔ بھٹی۔ کلار

مُحبَتِ جي ميدان ۾ وڃان پيرَ پيرِ
اَڳِئي سِرُ ڌَري، مان ڪُھنُھون سُپرِين

(١٧)

اَڳيان اَڳِ ان وَتِ، پوءِ پِنَ سِرَ سَنباهيا،
ڪاتِ نه پوءِ قَبوُلَ ۾ مَنھِن پاڻ پائين ڳمتِ،
مَٿا مُھائين جا، پيانه ڏِ سپين پٽ،
ڪلا ڙَڪي هَٿِ، ڪُسَڻ جو ڪوپ وهي.

(١٨)

جي اَڳِي سِڪَ سُرڪَ جي، نه وَن عُڪلاڙنِ ڀانِي
لاهِي رَڪُ لطيفَ چي، مَتو وٽِ مـاڻِي

جرعہ جرعہ کر کے پیا گا پڑھی شراب
مرد افگن من کے پیر آ اٹھا ہے نیں
سے کٹ باہے تو پھسے گرا اٹا ہنیں

(۱۹)

خواہش جرعہ پیا ہے گر دل اچاٹ
جا کلالوں کی خوشی سے دیکھ ہاٹ
اے لطیفت اس حال سے مت ہو اداس
ٹکر کٹا کر پھینک دے مٹکے کے پاس
جان کی بازی میں کھو دے عقل و ہوش
بعد اس کے جام پر کر جام نوش

(۲۰)

جا وہاں مے کی طلب میں دوڑ کر
جس محلہ میں کلالوں کے ہیں گھر
مے سے پیدا ربط صبح و شام کر
اور پھر کلالے سدا جب نام کر
عشق کا آخر معمّا حل ہوا
سر کے بدلے جرعہ میں ہے فائدہ

(۲۱)

خواہش جرعہ میں اے شوریدہ سر

لہ (س۔ ہر بہور ہوا۔ (ایتور) مثو جبکی شراب فروش ہو جا کہتے ہیں یہاں مراد ہے پیر مغاں "

ٻَڪَ ڏِيئِي پَڪَ پِيءُ تون، گھوٽ اِمتحان ڳالِ
جو وَرِنهَ وِهاڻِ، سو سِرُ وَٽِ سَرَو ساهَ ڳو

(١٩)

جي آئين سَڌَ سُرڪَ جي، تَه وَڃُ ڪلاڙڪي هَٽِ
لاهي رَڪَ ڪُٺيءُ جي، مَٿو مائِي وَٽِ،
سِرُ ڏيئي مَ سَٽِ، پيچ ڪي پيا ليئُن؛

(٢٠)

جي آئين سَڌَ سُرڪَ جي، تَه وَڃُ ڪلاڙڪي ڪوءِ
مُهيسَرَ جي مَڪَ جي، هُتِ هَڏَ هِيڻَ هُوءِ
جان رَمزَ ٻُڌوءِ ٻيَم رُوح، تان سِرِ سُرڪي ٻين

(٢١)

جي آئين سَڌَ سُرڪَ جي، تَه وَڃُ ڪلاڙڪي گَرِ

جا گلاؤں کے خوشی سے دیکھ گھر
ہے وہاں کی رسم الفت، بانٹنا
سُر کھیلنا، گلا گھٹنا اور چیرنا
اس کے بدلے گر گبوری مل گئی
کہدے اے بیدؔ! بہت سستی پڑی

(۲۳)

ہر جگہ بے دام ملتی ہے گلوہ
اور نہیں ملتی بلا عذر و وجوہ
کہدے اے بیدؔ نہ تو غمناک بن
سر کٹا شانوں سے اور بے باک بن
یہ مقام اُن کا ہے بے وہم و قیاس
جان دیدیتے ہیں جو مکھوں کے پاس

(۲۴)

زہر قاتل باعث آرام ہے
زہر پینا عاشقوں کا کام ہے
وہ ہمیشہ عشق میں محبوس ہیں
تلخ و قاتل زہر سے مانوس ہیں
اے لطیف الفت میں جاں کھوتے ہیں وہ
اور فرقت میں فنا ہوتے ہیں وہ!

• جام شراب ۲ رس نکھ، شراب کی ایک قسم

وَڍَڻُ، چِيرَڻُ، ڇِڇِرَڻُ، ٻَهَڻِ اُنين جيءَ ۾
جني وَرِتي پوئيءَ وَرِ، سَهِڻي آءٌ سَيدُ چي

(۲۲)

ناڻي نارِ ڪڪوهُ، ڪِي مُلِ مهنگو مَنڌُ؟
سَنبا هُج سَيدُ چي، ڪاٺَ ڪارَڻِ ڪَنڌُ،
رِهي تِنِئين جو هَنڌُ، مُنڻ پاسِ مَرَڻِ جي

(۲۳)

عاشِقَ زهَرَ پياڪَ، وِهُ پِسِيو، رَهسَن گھُٽُون،
ڪَڙي ۾ قاتِلُ جا، هميشه هِبراڪَ
لِڳين لنوءُ لَطيفُ چي، نَا ڪِيا فِراقُ

زخم ریسنے پر بھی ہیں آرام سے
کچھ نہیں کہتے وہ خاص و عام سے

(۲۴)

تلخئ حنظل سے گھبراتا ہے گر
خواہش جام و سبو ہرگز نہ کر
بلکہ پی جا ڈٹ کے آب و تاب سے
روح بے شک ہو جدا اعصاب سے
اے لطیف اب جا بلا فکر د جوہ
سرکٹا اور بعد اس کے چکھ تو وہ

(۲۵)

خواہش مے کیوں کریں اہل ہوس
اس سے بہتر ڈوب مرجانا ہے بس
جب کلانوں نے سنے سیدھے چھرے
تھے وہ بے تہ دُم دبا کر چل دیئے
بس وہی پیتے ہیں یہ گاڑھی شراب
سرکٹانے سے نہیں جن کو حجاب

(۲۶)

سرجدا جن کے دھڑوں سے ہو چکے
اور دیگوں ہیں جن کے لوتھڑے

توڙي ڇڪين پاڇ، نه پيه آءُ نه سلين عام کي

(٢٤)

مُڪرِ سَڌَ سري جي، جي ٻُڌو تاڙِ پين ٿوءُ
پيتي جيئن پاسي، نبي مُنجهوان رڳين روح
ڪاڻي چڪ ڪڪوءِ، لاهي سِرُ لطيف چئي

(٢٥)

سَڌَ تَرِ يا سري جون، ڪُڇ پڇاڙون ڪن؟
جه ڪات ڪلاڙين ڪڍيا، نه مونئيو ٻوءِ ڪن،
پڪون سي پيئن، سِر ڏيئي جا سَٽ ۾

(٢٦)

سِرُ ڪُڌا تَرَ ڏارِ، دوڳ جنين جا ڏيگ ۾

سر کٹانے کے لئے تیار سے تھے ،
ذکرِ الفت کے وُہی حقدار تھے

(۲۷)

آج دیگوں میں ہیں اُبلے لو تھڑے
گم ہوئے ہر اک کڑاہی کے کڑے
حوصلے پسپا طبیبوں کے ہوئے
زخم رستے چھوڑ کر جانے لگے

(۲۸)

در حقیقت سر کے طالب ہیں وہی
کرتے ہیں محفل میں جو ساقی گری
کیا وہ لیں گے دوسرا کوئی جواب
جو معطر کر چکے گاڑھی شراب

(۲۹)

سر چھپانا عشق میں زیبا نہیں
عاشقوں کا اصل یہ شیوہ نہیں
سر کٹانے سے نہیں جاتے بہک
روح بھی دیتے ہیں مرکے منسلک
اے لطیف اِس ڈھب کے جو عشاق تھے
ان کے سر شانوں سے بالکل کٹ گئے

سي مرڪن پچار، هيا جن جي هنئَ ۾

(٢٧)

ڏيکين ڏرڳ ڪرڙهن، جت ڪڙين ڪڙڪو نه ڪهي
تني طبيبن، چاڙهه چکندا، شيڙ ييا

(٢٨)

ميلي سي ڳوڙن، جي واننڊ روح ۾
اوڄ ڪي پيو پڇن، سرو جن سنباهيو؟

(٢٩)

اصل عاشق پانهنجي، سسي نه ساندين
لاهيو سرُ لطيفُ جي، ساهُ سلا ڙيوڏين

اس دور میں وہ عاشقِ جانبازِ عشق
پوچھتے ہیں صدقِ دل سے رازِ عشق

(۴۰)

سر چھپانا عشق پر الزام ہے
جان دینا عاشقوں کا کام ہے
سینکڑوں ہی سر کٹ چکے پھر بھی ہے کم
ان سے بہتر ہے کہیں یاروں کا دم
یہ جو ہیں یہ ہڈیاں یہ گوشت و پوست
ان سے بہتر ہے لعابِ دہنِ دوست

(۴۱)

سر کے بدلے وصلِ جاناں گر ملے
تو ہر اک اس بات کی خواہش کرے
سر کے سودے کی ملے گر یہ نظیر
عاشقوں کا جمع ہو جمِّ غفیر
ہے بہت نایاب یہ گوہر گراں
اس کا ملنا ہے مقدّر میں نہاں

(۴۲)

یہ شراب اک قطرۂ نایاب ہے
اس کی الفت کا شہادت باب ہے

ڪاهنوُن ڪا نِين ، پُڇَنِ پوءِ پِرِيئُون

(۳۹)

اُڪلِ عاشقن جو ، سِرُ نه سانڍين ڪي ،
سوسِنئان اِڳرو ، سَنڌ وڍيسان ڌَڙُ ،
ڄڻي هَٿُ وِجهِ ڇُرِيءَ پِريان جي نيڙي

(۴۱)

جي مَٿي وَٽِ مِڙنِ ، ته سِيڪَهُو سَڳ ٿيِ ،
سِرُ ڏِنِي سَٽِ جُڙي ، ته عاشق پايَنِ آچِرِ ،
لِنڌ اِن لَيَنِ ، مُلِ مَهَنگا سُپِرِين .

(۴۲)

مُلِ مَهَنگو قُطرو ، سِڪَڻُ شَهادَتَ

ہم ہیں اُس کے نازکش شام وسحر
ہے عبادت، یار کا نازو نظر

کافی

مُنہ لگاکر ساغرِ سرشار کو
ہم نے پہچانا ہے اپنے یار کو
نوش پیمانہ کیا جب عشق کا،
تب کیا معلوم سب اسرار کو
دل میں میرے شعلہ زن ہے نارِ عشق
دیکھتا ہوں کوچۂ دلدار کو
ہے فقط دو دن کی اپنی زندگی
چین دُنیا میں نہیں جاندار کو
بس وہ ہے موجود اے عبدالّلطیف
کیوں بھلاؤں عشق کے اظہار کو

★

اَ سان عَبادَتَ، نَظرُ نازُ پرِيَنِ جو

وائي

مَندُ پئَندي مُون، ساجَنُ سَهي سُڃاتو،
پِي پيالو عشق جو، سِيڪَي سمجهو سُون،
ساجَنُ سَهي سُڃا تو،
پر يا ن سندي پارَ ڇي، اَندَرِ اَڳِ اَڻون
ساجَنُ سَهي سُڃاتو
جِئَنُ ناهي جَڳَ ۾، ڏينه مڙيئي ڏون
ساجَنُ سَهي سُڃاتو
اَلا! عَبدُ اللَطيفُ چي، آهين توڻين تُون
ساجَنُ سَهي سُڃاتو

★

فصل سوم

(۱)

درد کو پھر سے جگا کر چل دیئے
آگ اک دل میں لگا کر چل دیئے
رنج و بیماری ہوئی مجھ کو نصیب
مبتلا خود کر گیا غم میں حبیب
روز و شب ہوں درد و غم میں مبتلا
اب نہیں بھاتی طبیبوں کی صدا

(۲)

اب نہیں بھاتا طبیبوں کا وبال
کیونکہ یہ دل کا مرض ہے لازوال
کیوں نہ سمجھوں گا میں خود کو خوش نصیب
جبکہ ہے اس حال میں ہادی حبیب

(۳)

وہ حبیب اس حال میں ہادی بھی ہے
رہنما ہے راحت و شادی بھی ہے
لے گیا مجھ سے غم ایام کو
دور پھینکا رنج کو آلام کو
دوست ہے مجھ کو عطا صحت ہوئی

داستان ٽيون

(١)

اُٺياري آئي ويا، مُنجهان مُون آزار،
حَبيبَ ئي هَٿِ ويا، پيرا جي پچار،
ٽِئين تواڙ، هَڏِ نہ وُٺي هاڻ مُون

(٢)

هَڏِ نہ وُٺي هاڻِ مُون، وڃِڻ جي وِصَالُ
مِنَ مُنجهنئي سَالَ، حَبيبُ ئي هادِي ٿيو

(٣)

حَبيبُ ئي هادِي ٿيو، رَهنما راحتَ
پيرا نِيائين پاڪ سين لائي ڏيئي لَتَ
سُپيرِ يان صحتَ ڏِ نِبَحِ منجهان ڏُکنديِ

جب وہ آئے دور سب کلفت ہوئی

۴

دور سب کلفت ہوئی آیا حبیب
وہ بنا ہادی کھُلے میرے نصیب
واں گیوں آئے طبیبوں کی دوا
جب نہیں کچھ اُن میں تل بھر فائدہ
دوست ہے میرا رفیق و رہنما
اور عیش و صحت و صعتر شفا

۵

صحت و صعتر ہے وہ زحمت نہیں
اس کے وصل وعشق میں ذلّت نہیں
وصل کی مجلس میں وہ قہار ہے
اس پہ خنجر زن ہے جس کا یار ہے
رب ہے وہ صاحب ہے وہ ستار ہے
دل کی ہر اک رگ کا واقف کار ہے

۶

میری رگ رگ بن چکی مثل رباب
جن کا ہے ہر لحہ بجنا بر صواب
بند ہے منہ اور دل میں پیچ و تاب

ایک قسم کی جڑی بوٹی جسکے پتے ذائقہ میں تیز ہوتے ہیں اور کئی بیماریوں کیلئے مفید ہے یہاں مفید دوا مراد لی گئی ہے ؛

(۴)

ڏُورِ ڏُکندَ وِ اُو ٿِيءُ ، هادِي جنهن حَبيبُ
تِرُ تفاوُتُ نہ ڪري ، تنهِن کي ڪو طَبيبُ
رَهنُما رَقيبُ ، سا ٿَرِ صِحَّتَ سُپِرِ ين

(۵)

سا ٿَرِ صِحَّتَ سُپِرِ ين ، آهي نہ آزارُ
مَجلِسَ وير مِٺو ٿِيءُ ، ڪو ٿيندي قَهّارُ
خَنجَرُ تِنهن خوبُ هَٽي ، جنهن سين ٿِيءُ يارُ
صاحبُ ، رَبُّ ، سَتّارُ ، سوجهي رَڳُون ساهجون

(۶)

رَڳُون ٿِيُون رَبابُ ، وُجُن ويلَ سَپَڪِيرُ
لُڇَنُ ، ڪُڇَنُ نہ ٿيو ، جانبُ ري جبابُ ،

پیشِ جاناں کچھ نہیں میرا جواب
دل وہ جوڑے گا کیا جس نے کباب
خود ہے وہ آرام جاں اور خود عذاب

۷

راہ سے وہ رد کرے وہ رہنما
" وتُعِزُّ مَن تَشاءُ و من تشاءُ

۸

گوشۂ خلوت میں مجھ سے بے گماں
عشق کے اسباب کا پوچھا بیاں
بعد میں بے ساختہ یہ کہہ دیا
درد ہے خود درد کی تیرے دوا
درد سے خوگر ہو تو لیل و نہار
آخرِ والعصر کو پڑھ بار بار
بعد اس کے دل تڑپتا ہے مدام
یہ تمنّا ہے کروں اُس کا سلام

۹

یہ تڑپنا چھوڑ دے کر لے سلام
پُر الم پُر درد ہے کیوں صبح و شام
جو اسی در کا ہوا دل سے غلام

لفظ "صبر" جو کہ سورۂ " والعصر" کے آخر میں ہے

سوئِي سَنڌ يتڻ مِ سُپرين، ڪِئي عِشق ڪباب
سوئِي عَينُ عَذابُ، سوئِي راحَتَ رُوحَ جِي

٧

سوئِي راهَ رَدِ ڪَري، سوئِي رَهنُمَاءُ،
"وتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ، وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ"

٨

پَرِ پُڇيا ٿُون، عشق جي اَسباب کي،
دارُن هِن دَرِ جو، ڏاڍ و ڏِسيا ٿُون
آخِرُ "والعَصِرِ" جو اَيتُر اَسنا ٿُون
تهان پوءِ آئُون، سِڪان ٿي سَلام کي

٩

سڪين ڪُه سَلام کي، ڪِرين ڪُه نه سلامُ؟

اور دروازے ہوئے اس پر حرام

۱۰

تلخ دلبر کا نہیں ہرگز کلام!
ہے وہ شیرینی سے بھی شیریں مدام
شیوۂ محبوب ہے یہ صبح و شام
کہ سکوت اس کے ہیں پنہاں ہے سلام

۱۱

کیوں نہ ہر شے دوست کی میٹھی لگے
شوق سے چکھ لی تو کیوں کڑوی لگے

۱۲

جب کہ ان سے تجھ کو ناشادی ملی
دیدہ و دانستہ بربادی ملی
پھر یہ کیا نکلا ترے اذکار سے
تذکرہ دلدار کا اغیار سے؟

۱۳

یاد کرنے پر ہے یاد اُن کے یہاں
"فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" سے ہے عیاں
مُنہ کے میٹھے ہاتھ میں اُن کے چھری
ہے مگر یہ بھی ادائے دوستی!

رِيا دَرَ تنِ حَرامُ، اِيءَ دَرُ جنِين ڏِٺيو،

١٠

مَنا يان مِنٿو گهٽُو، ڪَڙو ناهِ ڪلام
سُڪُوتُ ئي سلامُ، پِرِيان سَندي پارَ جو

١١

پِرِيان سَندي پارَ جي مِڙَئي مِٺائي،
ڪانهي ڪَڙائي، چکين جي چِپَ ڪَري،

١٢

جاڻي ٻُجهي جنِ تو سِين، سُورَ سَيءَ ڪِئي
تُون ڪَيِن سَندِ يُون تَن، ڪُرِسِين ٻچارُون ڪَريِن

١٣

تو جَنِين جِي تاتِ، تَنِ پڻ آهي شُهنِجي،
فاذڪرُوني اذڪرُڪُمُ، اِيءَ پروڙج بات
هٿِ ڪاڻِي گڙ واتِ، ٻُڌڻُ ٻَرِ پِرِين جي،

۱۴

ایک بار اُس نے پکارا تھا مجھے
یاد ہے وہ زندگی بھر کے لئے

۱۵

مجھ سے پوچھا ایک دن اُس یار نے
مسکرا کر ہمدم و دلدار نے
جب "اَلَستُ بِرَبِّکُم" اُس نے کہا
تب سے ہوں میں دردِ غم میں مبتلا
نوکِ غم دل سے جُدا ہوتی نہیں
درد کی میرے دوا ہوتی نہیں

۱۶

مسکرا کر کہتے ہیں وہ خوش نصیب
سچ بتاؤ ہے کہاں وصلِ حبیب؟
عشق کے تیرے سے وہ بچتے نہیں
اِک قدم پیچھے کبھی ہٹتے نہیں
عاشقوں کا ہے نہادت پر عمل
تاکہ سر اونچا رہے ہنستے اجل
ذبح ہونا اُن کا قربِ یار ہے
موت اُن کی باعثِ دیدار ہے

١٤

حَبِيبَ هيڪار، منجهان مهر سَندِ ڪيو،
سَوَمُون سَپِ جمارَ اوڙڻُ اهوئي ڏيو،

١٥

يا ٻوهي هيڪارَ، مُون نهان پُڇيو سَڄَڻين،
"اَلَسْتُ بِرَبِّڪُمْ" ٻُڌائون جنهن وارَ،
سَندي سُورِ ڪنارَ، تَنَ تَنَّ اهَڪون نه لهي

١٦

يا ٻو هيو پَيَنِ، ڪَٿي هُتُ حَبيبُ جو؟
نيڙي هيٺان نينهن جي، پاسي پاڻ نه ڪَنِّ
عاشِقُ اِجَس ساهَهان، اُونچي ڳاڻِ اَچَنِّ
ڪُسَڻُ تُرَبُ جَنِّ، مَرَڻ تَنِ مُشاهِدو

۱۷

ذبح کرنا ہے بُلانے پر حبیب
ذبح سے ہوتا ہے عاشق خوش نصیب
عشق کے نیزے سے بچ ہرگز نہیں
اپنے عقل و ہوش سب کھووے وہیں
عاشقی میں کر شہادت پر عمل
تاکہ سر اونچا رہے پیشِ اجل

۱۸

در بدر عاشق کو گر دلبر کرے
در بدر ہونا بُلاوا جان لے
منحرف اس سے نہ تو ہو جا شتاب
بس یہی ہے عشق کا اُلٹا جواب
تم کو پھر زیبا نہیں مُنہ موڑنا
کام اُس کا ہے مِلانا توڑنا

۱۹

ذبح کرنے پر خبر گیری کرے
اور خبر گیری پہ سر بھی کاٹ لے
اے مری ماں! جب سے ہوں میں پُرالم
بس وہی ہے باعثِ لطف و کرم

۲۰

۱۷

ڪوئي ڪُڇي سِپرين، ڪوئي ڪُھُڙُ سانُ،
نيزي ھيٺان نينھن جي پاسي ڪِرم پاڻُ،
جُلُ وِڃائي جانُ، عاشقَ اُجَل سامُھُون،

۱۸

ڪونهُ قَرِيبَنِ جو، عَيَبُ تُنَ آھ،
اِيَ اُلٽي ڳالڙِي، سِڪ وَرَندي ساھ،
آسَرَ ھَڏِ مَ لاھ، چِنڌُ ڳنيان اُنَ جو

۱۹

ڪُھِن تان ڪَرُلھَن، ڪَرُلھَن، تان ڪُھَن،
سِيني ماءِ مُھَنِ، سيئي راحتَ روح جي

۲۰

ذبح کرنے پر خبر گیری کرے
اور خبر گیری پہ دل میں آ بسے
دل سے گاہے دور ہے گاہے قریب
بس یہی ہر لحظہ ہے طرز حبیب
کھینچتا ہے کھال اور خود ہے طبیب
روح کی راحت ہے وہ دل کے قریب

۲۱

ذبح کرنے کو بلاتے ہیں وہی
رنگ الفت کا رچاتے ہیں وہی
روز سولی پر چڑھاتے ہیں وہی
دل کو داغوں سے جلاتے ہیں وہی
درد فرقت کی وہاں تقسیم ہے
اُن کے ہاں بس عشق کی تعظیم ہے
زخمیٔ جاں طالب "ھل من مزید"
لے وہاں سے عشق کی دولت خرید

کافی

میرے جسم ناتواں کے وہ طبیب
وہ دوائے درد ہیں دل کے قریب
اپنے لطف و فضل کا دیں گے سفوف

ڪَهي سو ڪَرَاهي، ڪولِي سو قَرِيبُ،
اِهَا عادَتَ سِکيو، هَر زمان حَبِيبُ،
نِيهي سو طَبِيبُ، سولِي راحَتَ روحَ جِي

٢١

ڪُهڻ ۽ ڪونِين، اِيَ پِرِ سَندِي سڄڻين،
سُورِيءَ چاڙهيو سُپرين، ڏَنِيءَ ڏيکاڙِي ڏِين
وِيناوِرِهُ وَنين، آءُ واجهُ وِڃايا وِهاءِ تُون،

وائي

ٿِيندو ٿَنِ طَبِيبُ، دارُون مُنهنجي دَردَ جو،
ڪُڇي ڏِينديءَ پاڄَهرِ جي، آهي شالَ حَبِيبُ،
دارُون مُنهنجي دَردَ جو

ہو گی مجھ بیمار کی حالت عجیب
غور فرمائیں گے خود وہ دلربا
مبتلائے درد و غم ہے یہ غریب
دور کر سب درد اے آرامِ جاں
میرے جسمِ ناتواں کا بن طبیب
صاف سچ کہتا ہے یہ "عبداللطیف"
ہے مریضِ ہجر کا حاذق حبیب

★

کلیان راگ ختم ہوا

پِرِين اَچي پاڙ ڪِيو، سَنڌ و عنُورُ غَرِيبَ،
دارُون مُنهِنجي دَردَ جو
ڏُکَنڌ و سَپوڻيُ ڏورِڪِيو، مَنجهُون تَنَ طَبِيب
دارُن مُنهِنجي دَردَ جو
آدِ يُون عبداللطيف چي، هانِڪ آهه حَبِيبُ
دارُن مُنهِنجي دَردَ جو

★

سُر ڪلياڻ پورو ٿيو

سُر یمن کلیاڻ

☆

ایمن کلیان راگ

داستان — اوّل

(۱)

تو مرا محبوب اور تو ہی طبیب
تو دوائے درد اے میرے حبیب
دلمیں ہیں کتنے ہی درد اے دلربا
دے مریضِ ہجر کو مالک شفا

(۲)

تُو مرا محبوب اور تو ہی طبیب
ہے مرے دل کی دوا ذکرِ حبیب
اس لئے لب پر ترے اذکار ہیں
اور دوائیں غیر کی بے کار ہیں

(۳)

تو مرا محبوب اور تو ہی طبیب
تو ہی وجہِ تندرستی اے حبیب
تو ہی جانِ درد ہے تو ہی دوا
تو ہی ہادی تو ہی رب تو رہنما
ہے تعجب دیکھکر تجھ کو حبیب!
دور ہٹ جاتے ہیں سب نادان طبیب

(۴)

داستان ڦريون

(١)

تُون حَبيبُ تُون طَبيبُ، تُون دردجي دوا
جانبُ مُنهنجي جيءَ ۾، آزُرَجا النوار،
صاحِبُ ڏي شفا، مِيان! مريضن کي

(٢)

تُون حَبيبُ، تُون طَبيبُ، تُون دَردجو دارو
دَوا آهِن دِل کي، تُنهِجُون تواروُن
کَريان ٿي ڪارُون، جنَن ٻُڌي ٻَڌُون نه

(٣)

تُون حَبيبُ، تُون طَبيبُ، تنهن ڏني ڏَبُ،
تُون ڏِسين، تُون لاهيين تُنهِنَ هادِي ربُّ،
آهِن ايءُ عجبُ، جنَن وارِيو وِڃَ وهارِين،

(٤)

تو حبیب اور تو طبیب اے دلربا
درد کا باعث بھی تو اور تو دوا
تو شفائے درد اور لطفِ عظیم
دردمندوں کا سہارا اے کریم
اِن دواؤں سے تو دُکھ کٹتا نہیں
حکم اُن کو تُو اگر کرتا نہیں !!

(۵)

گر کوئی مرہم لگائے گا طبیب
زخم کو پھر تازہ کر دے گا حبیب

(۶)

قتل کر اے دوست خنجر مت ہٹا
مجھ پہ کر اِحسان میرے دلربا
دوست وہ ہاتھوں سے جو زخمی کرے
پھر اگر مر جاؤں تو عزت بڑھے

(۷)

قتل کر اے دوست ! دل ناشاد ہے
اُس میں ہلکی ہلکی سی فریاد ہے
آرزو نالہ نہ بن جائے کہیں !
صبر کی طاقت بھی اب مجھ میں نہیں

تُون حَبِيبُ، تُون طَبِيبُ، تون دارُون کي دَردن،
تُون ڏِيين تُون لاهِين، ڏاتَر! کي ڏُکَندَنِ
ٿَڌَهن ٿِڪيُون فَرَقُ ڪَنِ، جِڏَهن اُمرڪِرمُونِ کي

(٥)

جان ڪِي ڪَرِي طَبِيبُ، دارُن هَنَ دردَ جا
هِينو سِي حَبِيبُ، اکوڙِيو اَڏَ ڪَرِي

(٦)

مُنُ حَبِيب هَٿُ ڪِئِي، ٿِڪِ مَ ٿُورو لاءِ،
پِرِيَمِ تُنهنجي گهاءِ، مَران تَ مانُ لَهان

(٧)

هُونُ حَبِيبَ هَٿُ ڪِئِي، دِلِ ۾ ذِيرِي دانهن
ڪُهِيانِ تَ حُوڪُ ٿِئِي، صَبرُ آئُون نَ سَهان

اب بیان کس سے کروں یہ ماجرا
دل کو خود دلدار نے زخمی کیا

(۸)

دل کو کر مجروح اے جانِ وفا
تیر برسا شوق سے چلّہ چڑھا
گو دو تیر دل سے اگر اپنی بھروں
عشق کا معتوب اور مجرم بنوں
اِسکی تو پروا نہیں گر جان دوں
کاش اپنے دوست سے یوں مل سکوں

(۹)

نوکِ الفت جب لگاتا ہے حبیب
بھول جاتے ہیں دوا کرنا طبیب

(۱۰)

شوق سے زخمی کرے گر تو حبیب
کر یقیں مجھ پر، نہ پوچھوں گا طبیب
میں تو جیتا ہوں اِسی اُمّید پر!
زندگی زخموں سے ہو جائے بسر

(۱۱)

کھینچ کر تیر و کمان دلدار نے!

ڪِنهن کي اِئين چوئان، مُنکي مارِيو سَجڻين

٨

هَڏَ حَبيبَ هَٿُ ڪَنَڏي، ٻَنگا لَڳي ٻِيانِ
ماڳِهين مُونِ مِنهنَ ٿِيُ جُهوڳي وِڃانِ پاڻ
اِنَ پَرِ ساجَنَ ساڻُ مانَ مُقابلو مُون ٿِئي

٩

جِتِ حَبيبَ هَٿڙِ ناڻُڪَ پَري نينهنَ جي
رِتي طَبيَبنِ، وِڃا وَجي وَ سَرِ ٿِيا،

١٠

هَنين جي حَبيبَ، سَجَڻي مِيا ڪَري
ٻِجُانِ ڪَين طَبيبَ، هُنَدَ گهائَنِ سين ٿي گهاريان

١١

ڇوري ڇَنگُ، ٻَنگُ لَڳيا، جَڏَينِ هَينو سِ

شوق سے چِلّہ چڑھایا یار نے
بن نے جانا یہ ہے الفت کا اثر
تیر خوردہ کا ہے جب سینہ سپر

(۱۲)

تیر خوردوں کی ہے اب آہ و فغاں
جسم میں ہے جن کے لوہے کا نشاں
جو تڑپتے ہیں وفورِ شوق سے
ہیں وہ میدان محبت میں گرے
پٹیاں زخموں پہ خود ہیں باندھتے
خود معالج ہیں وہ اپنے درد کے
وہ ہیں زخمی اُن سے ملنے جائیے
رات اُن کے پاس رہ کر آئیے

(۱۳)

رات اُن کے پاس رہنا چاہیئے
زخم خوردہ ہیں جو تیغ عشق کے
پُر اَلم ہیں اپنے جسم زار ہیں
گھاؤ ہیں اُن کے دلِ بیمار ہیں
چُھپ چُھپا کر جملہ مخلوقات سے
پٹیاں زخموں پہ خود ہیں باندھتے

ٻُجهان ٻانُ ٻُڌوس، ڪانارِ ئو ڪَرَ ڪُٽي

(۱۲)

ڪانارا ڪُٺڪن، جَنين لوهُ لِڳن ۾
مَحبتَ جي مَيدانَ ۾، پيا لالَ لُڇَن،
پاڻه ٻَڌن پَنيون، پاڻهِ چڪايا عِشقِ
وَتان واڍِ وڙهيَن، ڏَري اَچي راتڙي

(۱۳)

ڏَري اَچي راتڙي، تَن واڍِ وڙهيَن وَتاءِ،
جَن کي سُورُ سِرِيرَ ۾، گهَٽَ مَحبَتَ گهاءِ
لِڪائي لوڪاءِ، پاڻِ ٻَڌن پَنيون،

(۱۴)

زخمیوں کے جھونپڑوں سے آج بھی
آہ و زاری کی صدا آنے لگی ،
گرچہ اب دن چھپ گیا اور شام ہے
پھر بھی اُن کا درد و غم سے کام ہے
لے رہے ہیں ہچکیوں پر ہچکیاں ،
ہے وہی مرہم وہی ہیں پٹیاں

(۱۵)

زخمیوں کے جھونپڑوں سے آج بھی
کون سی آہ و فغاں ہونے لگی ؟
ہاتھ سے اُن کو معالج کھینچ کر ،
غور سے کرتے ہیں زخموں پر نظر
اس لئے کرتے ہیں وہ آہ و بکا
بس یہی ہے اُن کے غم کا ماجرا

(۱۶)

زخم خوردوں کو ہے غم کا آسرا
اس پہ شاکر ہیں وہ بیچارے سدا
خود کو مقصد کی طرف ہیں کھینچتے ،
راہ میں رُکتے نہیں اس قصد سے

(١٤)

اَڄ پُڻ ڪَنجهو ڪَنجهَ، وايو وڙڪي مَنهي

جُهه پُڻ پيڪَنِ سَنجهَ، هُوءِ پَنيُون مُوءِ پَنيُن

(١٥)

اَڄُ پُڻ مِڪَهڙِي دانهَن، وايو وڙڪي مَنَهي؛

ويءَ وَرائِي بانهَن، چوري چاڪَ نِهارِ يا،

(١٦)

ويچارا وايو وڙ، سَنُ ا شاڪِرُ سُورَ سِين

نہ مُٺي توڙ، اوري ڪَنِ نہ آسرو،

(۱۷)

غم سے خوش ہیں زخم خوردہ غم زدہ
اُن کے لب پر درد کا ہے تذکرہ
درد اُن کے دل سے جو ہے ہم کنار
وہ نہیں کرتے کسی پر آشکار
الغرض ہوتے ہیں فوراً کامیاب
کھوج پاتے ہیں حقیقت کا شتاب

(۱۸)

کیا خبر اِن تندرستوں کو ابھی
زخم خوردوں پر ہے کیا آکر بنی
فرش سے پہلو بدلتے کیوں نہیں
گریہ کو اَب بند کرتے کیوں نہیں
کنج خلوت میں ہیں وہ کیوں بیقرار
یادِ جاناں میں ہیں وہ کیوں دلفگار
جن کے دل میں ہجر و غم کا ہے اثر
رات روتے کرتے ہیں بسر

(۱۹)

کیا خبر ان تندرستوں کو بھلا
دردمندوں کی ہے کیوں آہ و بکا

(١٧)

سدا آهي سُورَجي، وا ڏ وڙن وائي،

جيڪا اُتِن من ۾، سلَن نه سا ئي،

اوڙڪ اُهائي، گو لبو لهن ڳالهڙي

(١٨)

سُگهن سُنِ نه سُورَجي، گهايَل ڪيَن گهارين،

پيل پا سو پٽ تان، واڏوڙ نه وارين،

پر ۾ پَچَن پرين لَيءِ، هي ڄڄون هارين،

سيجهه جي سارين، تن رويو وهامي راتڙي

(١٩)

سگهن سُنِ نه سُورَجي، تا ڙ ٽڪن رنجوري

فرش ہے ان کے لئے نوکِ سِناں
اُن پہ نازل ہے بلائے آسماں
اے لطیفؔ اُلفت پہ ہیں وہ جاں نثار
دائمی اک درد سے ہیں ہم کنار
جن کی ہے کامل محبت پر نظر
روتے روتے رات ہوتی ہے بسر

(۲۰)

رنج سے خوگر سدا رنجور ہیں
آہ و زاری کے لئے مجبور ہیں
جھیلتے جاتے ہیں دُکھ برباد ہیں
درد کم ہوتا نہیں ناشاد ہیں
اس فغاں میں ایسی تھی کچھ برتری
مجھ میں حاصل حضوری ہو چکی

(۲۱)

اے سہیلی! میں نہیں کرتی یقیں
ہجر میں آنسو بھی بہتے ہیں کہیں
آنسوؤں کا باندھ کر فرقت میں تار
کیوں کریں دُنیا پہ ظاہر حالِ زار
جن کے دل میں یادِ جاناں ہے کہیں

پِيا آهِن پَٽ ۾، مَٿَن مامُورِيءَ،

ٻُڪِين لنوءُ لَطيفُ چَئي، سَدا آهِي سُورِيءَ،

پِرِتِ جَنِ پُوري، تَنِ رُوبرو راتِڙي

(٢٠)

سَدا آهي سُورَ جي، رَنجُورَن رُٽڪَ،

جِنهن جِنهن ڏُکَ ڏسائيا، لَتِين ڪِين چُڪَ،

اِنَ پَلارِيءَ پُٽڪَ، هيڪَرَ حضُوري ڪيا،

(٢١)

آيل آن نہ وِسَهان، هَنجُون جي هارِين،

آٽيو آبُ اَکِنِ ۾، ڏِرَهَ کي ڏِيکارِين،

سَيجَوا جي سارِين، سي نہ ڪِي رُون نچُرين ڪِي

منہ سے کچھ کہتے نہیں روتے ہیں

کافی

ہوئے بہت ہی پریشان حکیم بیچارے
دلِ حزیں کو ہیں آلام دوستی پیارے
اُٹھو یہاں سے حکیمو! دوائیں لے جاؤ
تمہاری وجہ سے پھر زخم کھل گئے سارے
دلِ حزیں کو ہیں آلام دوستی پیارے
جنہوں کا درد ہے دیں گے دوائے درد وہی
کرم پہ اُن کے ہیں جیتے یہ درد کے مارے
دلِ حزیں کو ہیں آلام دوستی پیارے
وہ آج لائے ہیں تشریف دل لُبھانے کو
چمک اُٹھے ہیں ہمارے نصیب کے تارے
دلِ حزیں کو ہیں آلام دوستی پیارے

☆

وائيءَ

وَرِسيا وِچَ وِيچارا ! دِلِ ۾ دَردُ پِرِيَنِ جو

اُٿيو وِيچا ! مَ وِهو، وَجو ڏَبَ ڪَٽِي،
دِلِ ۾ دَردُ پِرِيَنِ جو

ٻُڪِي ڏِ بيندا جَهِ جِي، آيا سُورَ ڏَلِي،

آيا جِيءَ جِيارا،

دِلِ ۾ دَردُ پِرِيَنِ جو،

★

داستان دوم

۱

تو نہیں اس جسم کا حاذق حکیم
کیا تو جانے گا مرا دردِ قدیم
ان دواؤں کو یہاں سے اب سنبھال
دوڑ جا فوراً انہیں چولہے میں ڈال
جبکہ ہے وہ دوست مجھ سے دور اب
زندگی ہرگز نہیں منظور اب

۲

جب حکیموں سے جھڑپ ہونے لگی
تو کبھی پرہیز کی پروا نہ کی
اس کے کہنے پر ہوئے جب کاربند
کی شفا حاصل نہ ٹھیکر دردمند

۳

جب حکیموں سے جھڑپ ہونے لگی
خود بخود پرہیز رخصت ہو چکی
ان مریضوں کی علامت ہے یہی
جاں گسل ہونے کی صورت ہے یہی

۴

داستان ٻيو

①

تَنَ طَبيبُ نه تُون، سُڌِ نه لَهِم سُورَ جي،

سانڍِ پَنهنجا ڏَيَڙا، کَڏ کَٽي مِ پُون،

كا نهَ گھُرِجي مُون، حَياتي هوتَنِ ري،

②

وِيڄَنِ سَئين وائِي پِيا، ڪِرِي نه ڪيائُون،

جي پِنڌِ پارِ پائُون، ته سِگهائي سگهائِيا،

③

وِيڄَنِ سين وائِي پِيا ڪري ڪَنِ نه پاڻِ،

اَگهاڻَ اُهيڃاڻِ پسو! سُورَ سمجهائِيا،

④

جن کو حاصل ہو چکا رنج و بال
ہے طبیبوں کو بہت اُن کا خیال
کوششوں سے وہ نہیں رکتے کہیں
گر نہ کی پرہیز تو کچھ بھی نہیں

۵

اُن ضعیفوں کی تھی بدبختی کہیں
قدر پہچانی طبیبوں کی نہیں
جو ہوئے اپنے طبیبوں سے خفا
دور ہے اُن سے مرض کی ہر دوا

۶

بیٹھتے ہیں جو طبیبوں کے قریب
اُن کو ہوتی ہے شفا فوراً نصیب
جب طبیب اُن پر کرم فرما ہوئے
کوششوں سے درد مٹ جانے لگے

۷

صد حکیم اپنے بڑ وسی تھے کہیں
ہم نے پوچھا تک کبھی اُن کو نہیں
جب سے وہ مجھ سے ہوئے ہیں دور دور
پھوٹے ہیں ٹیسو مری آنکھوں میں تب

آءٌ ڳڻهي ڳهٽو اکڻ جو، ترس طبيبن
ڪيو ومن ويڄن، تان ڪري ريءَ ڪين ٿئي

۵

ترس طبيبن جو، جڏهن ڪيو نه جاتِ،
جو ويڄن جي واتِ، دارون تان تنهن ڏيريا

۶

اڳهائي سگها ٿيا، جي وپنا وٽ ويڄن
ترسي طبيبن، پيئي هوند پڳا ڪيا

۷

پاڙي ويڄ ڪسا، تان ڪون ڪون موڙ نه پڇيا،
تپلا هين پسا، موڙ پسر اکين ۾

۸

تُو ارے ناداں! یہ کیسا ہل گیا
جسم کا اَپنے ہے خود نقصاں کیا
گر نہ تُو پرہیز توڑے گا کبھی
تو شفا ہو جائے گی حاصل ابھی

۹

وصلِ جاناں کی اگر ہے جستجو
تو روش چوروں کی سیکھ اے نیکخو
جاگنا جن کے لئے آرام ہے
رات بھر کی ٹھوکر دل سے کام ہے
بجھ گیا دل ہاتھ کچھ آیا نہیں
پھر بھی اُن کے مُنہ سے کچھ نکلا نہیں
گرچہ وہ سولی پہ ہوتے ہیں سوار
راز کرتے ہیں نہ پھر بھی آشکار
کیوں نہ گردن پر چھُری پھرنے لگے
باز آئیں گے نہ اپنی آن سے

۱۰

کچھ ہوا ایسا طبیبوں کو خیال
زخم خوردہ کو دیا گھر سے نکال

٨

مارِيا تو مِري، ڦيڪا ڪيا سپين ڪيو،

ڪُو بين جي ڪري، نه تُون توانو ٿيين،

٩

جي پائيين پرين مِتران، سڪ ڇوران ڪي ذاتِ

جاڳڻ جئشق جن کي، اُسڪه نه ساري رات،

اَچي ٻنجي آئيا، واءُ ڪَنِ نه واتِ،

سَلي سُورِيَ چاڙهيا، بيان ڪَنِ نه باتِ،

توڻي عشقِ ڪات، ماڳي سَلنِ ڪين ڪي

١٠

ترڙي ڪُميٖنِ، گهائِلُ گهران ڪڍِ ٻيو،

زخم اُکھڑے ، خون کے فوّارے بہے
زخم بھرنے سے سَراسَر رہ گئے
جب میسّر ہو وصال کوئے یار
کیوں نہ ہو زخموں میں ٹھنڈک آشکار
تنگ ہو کر جا رہے ہیں اَب طبیب
آشنا دینے کو اسے میرے حبیب

۱۱

بیٹھے ہی تھے میرے سرہانے طبیب
میرے گھر داخل ہوا میرا حبیب
آشنا صحّت سے ہیں اعضائے جسم
آمدِ جاناں ہے جاں افزائے جسم
درد و غم لحظہ میں زائل ہو چکا
دوست کے آنے پہ یہ سب کچھ ہوا

۱۲

تھے جنہوں نے دل کے صد ٹکڑے کئے
وہ معالج بن کے پھر سے آ گئے
باندھ دیں زخموں پہ فوراً پٹیاں
تندرستی کا نظر آیا سماں !
اے دل اُن کے پاس رہ آرام سے

چڪيا چاڪ ڇڄون ڪري، ڪَڙيُون مُورُ نه ڪَنِ

دوسَ جي دَرسَنَ سين، پُيُ تارُ سنپَنِ؛

وِرچيو وڃَنِ ڏيهَنِ، آءُ نه پِريم اُبهان.

١١

ڏيهن ڏِ پينئي، دوسَ پيهي دَرِ آئيو

صِحَتَ جي مُريڙُ ۾، ڪَلَ ڪَرِين پيئي،

پِيڙُ پَري ويئي، اَچَنَ سانُ عَجيب جي،

١٢

ڏَڏي جَن ڏِ ڏِ ياس، ڏَري ويجَ پِيُ سي تِيا،

تُريتَ بَڌائون پَٽيُون، روزِ ڪيا ڏُون راسِ

هيڏِرا تَنِين پاسِ، گهارِ نه گهائلُ نه تِين؛

تاکہ وہ زخمی نہ ہونے دیں تجھے

۱۳

مر رہی ہوں درد سے ناداں حکیم
تو نے سمجھا تک نہیں دردِ قدیم
اب یہ پیارے سے کہوں گی، کر یقیں
رحم دل میں کچھ طبیبوں کے نہیں

۱۴

اے معالج کر نہ اب میرا علاج
تندرستی کی نہیں کچھ احتیاج
کاش میرے گھر کبھی آئے حبیب
اُس کے ہاتھوں ہو شفا مجھ کو نصیب

۱۵

گر طبیبوں کے بنو گے ہم نشیں!
پاؤ گے فوراً شفا، کر لو یقیں
اب بدل ڈالو پرانی واردات
ہر مرض سے ہو تمہیں حاصل نجات

۱۶

جب پڑوسی تھے ترے صدہا طبیب
پھر مرض کیونکر ہوا تجھ کو نصیب

۱۳

هارِ ڀا! وَيڄُ مُياس! سُڌِ نَہ لَهِمَ سُورَ جي

پِريان کي چُنڊِ پاسِ، نَہ تَرَسُ طَبيبَنِ جِنڊِ يو

۱۴

وَيڄَ! مَ ٻُڪي ڏي، اَلا ڄَڳيّ مَ ٿِيان

سَڄَڻُ مانَ اچي، ڪَرَ لاهُوتِي ڪَنڌِ هِمَ

۱۵

وِهُو ۽ وَيڄَنِ وَٽِ، جي سِڪَنِ تہ سُگهوٽِيِن

اَگِين عادَتَ هَنِ، نَہ اَگهاءِ عاجِزَ نہ ٿِيِن

۱۶

هُنَنِ تہ وَيڄَنِ وَٽِ، تُون ڪَنَ جي جُڏِ وِٽِين؟

کیوں نہ پایا جان کی بازی کا مزاج
تاکہ ہوتا شوق سے تیرا علاج

۱۷

مار ڈالا ان طبیبوں نے مجھے
جو کہ نالائق تھے اور نا اہل تھے
داغ دیتے ہی رہے وہ بدنصیب
دور سب مجھ سے ہوئے ماہر طبیب
بے وقوفوں نے کیا مجھ کو فنا
درد دل کا اور ہی بڑھتا گیا

۱۸

ان طبیبوں نے کئی حیلے کئے
اور بہت کچھ کی دوا میرے لئے
یاد کرتا ہے مگر جن کو حبیب
تندرستی اُن کو ہوتی ہے نصیب
میری نبضیں دیکھکر وہ شوق سے
مہر اُلفت کی دوا دے گا مجھے

۱۹

آج سب بیمار یکجا ہو گئے!
تندرستی کو پکارا زور سے

سِرُ ڏِ پِئِي ۾ سَٽَ، ڪُه نہ ڪَيَئِي ڏَبَڙا؟

١٧

ڪُٺِيسَ ڪُو پِڃَنِ، تَنَ طَبِيبَ نہ گَڏِ يا،

ڏِ بِئِي ڏَ نِيَ ڏَ ڏَنِ، پاٽانِ ڏِيلُ ڏُکوئِيو،

١٨

ڏارُون ۽ ڪارُون، جان ڪِي ڪِيا وِيچَ مُونت!

ٻُڪِي ڏِ بِندا پا جَهجِيِ، رِنهاري ناڙُون،

جَنِ جُون سِپِڙَ دَهِنِ سارُون، تَنِ تان ڏُکَند وڏُو

١٩

آگَهنِ مِڙِي اَچُ، ڪِيو سَڏُ صِحَتَ کِي،

دور جا اے دردِ فرقت دور جا
کیونکہ وہ فیاض ہیں جلوہ نما

کافی

[می]رے حبیب آجا۔ میں درد کی ہوں ماری
[تی]ری طلب ہے دل میں تیری ہے بیقراری
[ت]رے فراق میں گر مر جاؤں تو غنیمت
[ل]ے جا سمجھ نہ لینا میری یہ جان نثاری
[می]رے حبیب آجا میں درد کی ہوں ماری
[ہ]اتھ میں دوائیں میرا علاج کرلو
[ا]ے دوست! اب تو سن لو میری یہ آہ وزاری
[می]رے حبیب آجا میں درد کی ہوں ماری

★

ڏور ڏُکندا ئِجُ ، مِهري مُنهنُ ڏِيکاريو

وائي

اَچي سارَ لَهِجِ ساجَنَ ! سُورَ تماري آئُون مارِي !

سُورَ تماري جي مَران ، تان مون ڏوهُ نه ڏيجِ ،

ساجَن ! سُورَ تُماري آئُون مارِي !

ڏَ بَن پيرَي هَٿڙا ، دارُون دوستَ ڪَريجِ ،

ساجَنَ ! سُورَ تُماري آئُون مارِي

★

داستانِ سوم

۱

ہائے رے! اے دوست! دل ناشاد ہے
دھیمی دھیمی اُس میں اِک فریاد ہے
سوزِ غم سے جل چکے جان و جگر
آگ کا گرد وں پہ ہے کافی اَثر
گر یقیں آتا نہیں تو دیکھ لو
میرے سر پر آگ کے طوفان کو

۲

ہائے رے! اے دوست! دل مغموم ہے
غم ہی غم ہے اور خوشی معدوم ہے
سوزِ غم سے جل چکے جان و جگر
اور گردوں میں ہے بدبو کا اثر
گر یقیں آتا نہیں تو دیکھ لو
رو برو اس میرے حالِ زار کو

۳

خوب انگارے کریں چھو نکر ببول
اُن پہ بیں جلتی رہوں دل ہو ملول
شوق سے سیخیں بھی رکھ دو جوڑ کر

دل کی طرح ایک خار دار درخت۔

داستان ٽيون

۱

هئي هئي ! وهي هاءِ، مَنَ مِ محبوبَن جي،

جيرا جوش جلائيا، ٻکڻ ٻري باھ !

پسو مچ مٿاءِ ، جي وِيسا ۾ نه وِسهو!

۲

هئي هئي ! وهي هوءِ ، مَنَ مِ محبوبن جي

جيرا جوش جلائيا، ٻکڻ مکي ٻوءِ !

اچي پسو ڙوءِ ، جي وِيسا ۾ وِسهو !

۳

ڪانڌين ، ٽانڌين ، پابرين ، پچا مرُ پيئي !

دل، جگر، گردے ہوں تینوں آگ
بات اب آئی حکیموں سے نکل
ہے فقط اُس دوست کا دخل و عمل

(۴)

یار نے کھینچی کلائی پر کماں
شوق سے تیروں کا اک باندھا سماں
ریڑھ کی ہڈی کو توڑا تیر سے
دل کو زخمی کر دیا تدبیر سے
دونوں پہلو، دل، جگر، گردے جو تھے
تیر کے پَر اُن میں فوراً چبھ گئے
بات اب آئی حکیموں سے نکل
ہے فقط اُس دوست کا دخل و عمل

(۵)

زور سے چلّہ چڑھایا یار نے
تیر چھوڑا اُس میں کر دلدار نے
کر کے چھن چھن اور کڑ کڑ زوردار
جسم کے فوراً نکل آیا وہ پار
آگے بڑھ کر یار سے پوچھو ذرا
کیا ہوا اب ہاتھ ٹھنڈا آپ کا؟

جيرا ، جگرَ ، ٻُڪيُون ، سيخُنِ ۾ ٽيئِي ،

وِڃَنوُن وِيئِي ، تِي وَهيٽِي سَڄَڻين ،

٤

سُرُجو سَڄيو سَڄَڻ ، پَرُ پيڙِي ڏيئِي ،

ڪانَ ڪَرِ نَگُرُ ڪَپيو ، پَکَنِ سِرِ پيھِي ؛

جيرا جِگِرِ ٻُڪِيُون ، پاساڙا ڀيئِي !

وِڃَنوُن وِيئِي ! ، تِي وَهيٽِي سَڄَڻين

٥

سُرُجو سَڄيو سَڄَڻين ، ٻَگا ٻاٽَ پَرِي ،

وِيو وُجودان ٻِهري ، ڪَڙ ڪَڙ ڪانَ ڪَرِي ،

ڇُوپيرَ پَرِي ، تَڪِ نُرِيوهَٽَ حبيبَ جو ؟

۶

زور سے چلّہ چڑھایا یار نے
تیر چھوڑا پھر مرے دلدار نے
کر کے چھن چھن اور کڑکڑ زوردار
دل، جگر، گُردوں سے نکلا آر پار
کیا بتاؤں بل پہ بل کھاتا ہے دل
تیر کھینچوں تو نکل آتا ہے دل

(۷)

کھینچ کر تیر و کماں دلدار نے
زور سے چلّہ چڑھا یار نے
تیر ٹن ٹن کر کے جوں اُڑنے لگا
جسم میں چبھ کر بہت آگے چلا
پھینک کر پیلا[1] مرے دلدار نے
کسر کوئی بھی نہ چھوڑی یار نے

(۸)

میرے دل کی دھونکنی کو دھونک کر
پھر نظر کر شعلۂ جوالہ پر
جسم میں نوکِ محبت چبھ گئی
جس کی ہر صورت نئے سے ہے نئی

---

[1] پیلے رنگ کا تیر،

٦

سَرُ جو سَچِيو سَجَڻ، پيهَرَ پاڻُ پَرِ تِي،
ڇَمَڪِيو سو ڇوڪَرَ مانَ، ڪَرَ ڪَڙڪاڻُ ڪَرِي

جيرا، جِگَرَ ٻُڪِيُون لنگهي پيو پَرِي،
ٽَگو جي جُڙِي، تاٽِيان تيرُ نَه نِڪَرِي،

(٧)

سَرُ جو سِڪِيو سَجَڻين، سِيگَ مَنجهان سِيلو،
تِنگَرُ تِڪِيو ڪِين ڪِيي، پارِ لنگهيو پِيلو،
هَٿَّ سِين جِيلو، جانِبَ جيڏ وِئي ڪِيو!

(٨)

ڏَڳايو مِ ڏَئِين، جيرو آسَند رِڙَندَ ٿِي،
لَڳِي سِيخَ وُجودَ ۾، سَنڌِي ٻنهنَ نَئِين،

بس اسی نظارہ میں حیران ہوں
آگ میں ہوں، آگ کا طوفان ہوں

(۹)

جا خبر جلنے کی پروانوں سے پوچھ
رازِ اُلفت اُن کے ارمانوں سے پوچھ
آگ پر خود دوڑ کر آتے ہیں وہ
جان جانے کا نہ غم کھاتے ہیں وہ
اُن کے چھلنی ہو چکے جان و جگر
عشق کے نیزوں کا ہے جن پر اثر

(۱۰)

گر تجھے کہتے ہیں پروانہ تو آ،
آگ بن کر آگ کو فوراً بجھا
سینکڑوں کو اُس نے جھلسا ہے مگر
تو جھلس دے اس کو، پھر آرام کر
گر بجھاتا ہے اُسے، رہ ہوشیار
عام پر یہ راز مت کر آشکار

(۱۱)

گر تجھے کہتے ہیں پروانہ تو آ
شعلۂ جوّالہ میں گر کر دکھا

مشاهدي تهين، مُنکي وِٽو مُنجھ ۾

⑨

پُڇُ پتنگن کي، سندِ ين ڪامَ خبرُون،
ٽِيو وِڃن آگِ ۾، جيءُ پنهنجو جي
جلري جُنين جي، ٻگا نيڙا نينهن جا

⑩

پتنگُ چا ٻين پاڪَ کي، نه اُجي آگِ اُجهاءِ،
پچُڙُ گهڻا پچا ٿِيا، تون پچُڙَ کي پچاءِ،
واقِفُ ٿِي وِساءِ آگِ نه ڏِجي عام کي

⑪

پتنگُ چا ٻين پاڪَ کي، ته جيري پوُ جُهالي،

کھینچتا رہ خود کو تب تک سربسر
آگ جب تک خود نہ بجھ جائے اگر
کر بجھانے پر یقیں رہ ہوشیار
عام پر یہ راز مت کر آشکار

(۱۲)

گر تجھے کہتے ہیں پروانہ تو آ
دیکھکر شعلے نہ واپس لوٹ جا
جذب ہو جا نُورِ جاناں میں شتاب
تاکہ تو بن جائے دولھا بے حجاب
تو ابھی ناپختہ آتا ہے نظر
آگ کے آدوے کی کیا تجھکو خبر

(۱۳)

لو! وہ اُڑ کر آئے پروانے ابھی
جمع شعلوں پر ہوئے آ کر سبھی
آگ کو فوراً ہوئے نزدیک تر
شوق سے جلنے لگے سب سربسر
اس طرح بے خود وہ بیچارے ہوئے
گردنیں کثرت سے ضائع کر چکے

(۱۴)

تان تان تانجِ تنوَ ڏي، جان آگِ نہ اُجھاڻي،

وِسهُ وِهاڻي، آڳِ نہ ڏِجي عامَ کي،

(۱۲)

پَتنگ چا ڻِين پاڻَ کي پَسِي مَنجُه مَ مونُ،

سَهائِي سُپِريَنِ جي، گِهڙ تہ تِنِين گھوٽ،

اُجا تُور اروٽُ، ڪُوڙي خَبَرَ نہ لَهـ

(۱۳)

پُڙِي پَتنگ آئيہ مڙِي مُتي مَنجَهہ،

اوڏا ٿِيا آڳِ کي، سَڙِيا آئي سَنجَهہ،

سَندَ اگهيُنِ گَنجَهہ، وِچارَنِ وِڃائيا

(۱۴)

لو! وہ اُڑکر آئے پروانے شتاب
آگ کے جلووں کو دیکھانے حجاب
خود بخود آتش میں کو دے آن کر
آگ کے شعلوں پہ ہے ان کی نظر
چھوڑکر دنیا کے رشتے شوق سے،
درمیاں آ دے کے سب جلنے لگے

(۱۵)

شوق سے اُڑکر وہ پروانے چلے
آگ کے شعلوں میں آکر سَر دیئے
وصل جاناں پا ئیں گے وہ یک نظر
شعلۂ جوّالہ میں گر دیں گے سر

(۱۶)

آج پروانوں نے سوچا بالعموم
شعلۂ جوّالہ پر کرلیں ہجوم،
وہ جھلسنے پر بھی لرزے تک نہیں
ہوگیا جل جانے کا اُن کو یقیں،
اس طرح بے خود وہ بیچارے ہوئے
گردنیں کثرت سے ضایع کرچکے

(۱۷)

پُرِي پتنگ آئِيا، سِرِي وٽ ساهِي،
اَچِي پِيا آگِ ۾، کُڏِي سَپ ڪاهِي،
لاڳا پالاهِي ڪاٺا کُورِي وچَ ۾،

(١٥)

پُرِي پَتَنگ آئِيا، سِرِي سَهائِي هيٺِ،
ڏِينِدا ڏِيئاري ڏيٺِ، مَنُو ڏِينِدا مُچَ کي

(١٦)

پَتَنگِ پَهُ ڪِيو، مَرِيا مَتِي مُچَّ،
پَسِي لَهَسَ نَه لِڇيا، سَڙِيا مَتِي سَچّ،
سَندا اِڳِيَن ڳُچّ، وِيچارَن وِڃائِيا،

(١٧)

تجربہ کی دُھن میں صدہا شوق سے
آتشِ سوزاں پہ فوراً آ گئے ،
یوں مسرّت خیز تھے وہ با اُصول
باڑھ میں ہوتے ہیں جوں بیلوں کے پھول
خود کو اِس وارفتگی میں سربسر
درمیاں آوے کے جھونکا آن کر ،

(۱۸)

جسم گر تندور کی مانند ہے گرم
دھیرے دھیرے اُس پہ کر چھڑکاؤ نرم
کر فروزاں آتشِ آداب کو ،
پھینک اُس میں جسم کو اعصاب کو
تیرے جن رازوں پہ حائل ہے نقاب
پختگی اُن سب میں پیدا کر شتاب
بیقراری اور شوق و اضطرار
اے لطیف اُن کو نہ کرنا آشکار
وانہ ہو جائیں مبادا یہ دُھنیں
لوگ اٹکائیں نہ روڑا وصل میں

(۱۹)

کل ابھی محبوب نے تندور سے

چَڙهيو چِڪاسِ چاءِ، آڳ بِرِندي آئيا

وِهُسَنِ وارِيءَ ڦُلَ جِئَن، مَنجِهي مِيَھ لاءِ

آئِي پاڻُ اُڙاءِ، ڪِٽِي ڪوري وِچَ ۾

⑱

جي تنو تُنُ تنُورَ جئن، تہ چَندِي ساڻُ چماءِ

نِي آڳ اَدَبَ جي، باري جانِ جَلاءِ،

بِرُ قِتان اندر بازِيُون، پَنهنجِيُون سَپِ پچاءِ

اُيَجِڻُ لَنوءُ لَطيفُ چي، پَئُ رِهَنِي مَ پاءِ،

مَتان لوڪ لَڪاءِ، وِصالان وِچُ پئي،

⑲

آيا تنورائِ ڪالَ ڪَپِ، يا سُون سِجَنيِن،

کھینچ کر باہر نکالا ہے جب مجھے،
پھر فراوانیٔ وحدت سے شتاب
آگ میں پھینکا ہے مجھ کو بے حجاب
ہو چکے ہیں جو محبت میں فنا
شعلۂ جوّالہ ہے اُن پر سدا

(۲۰)

آگ پر رکھکر حدیدِ خام کو
صورتِ فولاد میں لائے ہیں جو
آگ کا آنکھوں میں باندھا ہے سماں
کیوں نہ ہوں لوہار اُن کے قدرداں

(۲۱)

آج لوہاروں سے ہے کیا ماجرا
دھونکنے اور جھونکنے کی کیا صدا
جل چکی ہے آتشِ عشقِ مجاز
سلسلہ شعلوں کا ہے جس میں دراز
دھونکنی والو! الگ ہرگز نہ ہو
ذرّہ ذرّہ مت کرو فولاد کو

(۲۲)

دھونکتا تو دھونکنی والا نہیں

پُٽ تا ٻائُون ٽڪڙو، و ِحدَتَ جي وَڏاءِ،

مَحبَتَ مَتاءِ، مَنجھ مُورائين نہ لَهي

(٢٠)

پَچائِي پَهاڻُ، عَنر ِرَسائيو رُڪ کي،

تنهن سَندو جانُ، آهي آگرُ يَن کي،

(٢١)

ڏَنُءُ ڏَنءُ ڏَمَڻُ وار، اَڄُ پُڻُ آگرِيَن جي،

ٻاري مَنجھ مَجازجو، اوتيائُون آگار،

ڏُوتِ ياڻِيءُ مَ ڏارُ، جَمَرِڪَپُورُڪُڪَيوتِنِي

(٢٢)

ڏُو ڏاتُون نہ ڏَنَين، آگِ اوڏو نہ وَڃين،

آگ کے نزدیک تو جاتا نہیں
عشق کے شعلوں سے تو ہے بھاگتا
سہہ نہیں سکتا بھبھوکا آگ کا
پھر بھی کہتا ہے کہ میں لوہار ہوں
آگ کے شعلوں سے واقف کار ہوں

(۲۳)

سر کو رکھ سندان پر بے ساختہ
دوڑ جا اور پوچھ گھر لوہار کا
پھر وہ شاید شوق سے کوٹے تجھے
اور کر دے مشتمل فولاد سے

(۲۴)

بنکے سنداں چوٹ پر تو چوٹ کھا
عقل راہِ عشق میں اپنی گنوا،
بُن مصیبت اِن ہتھوڑوں کے لئے
خوب اُنھیں مہمیز دینی چاہیئے

(۲۵)

کیا مزہ ہے کوئلوں کے واسطے،
جلتے ہیں دو مرتبہ صد شوق سے
ایک تو بھٹی میں اُن کی گت بنی

مُلاحِي عشق جا ، سي تان تُون نہ سَهين ،
اُيو اِئين چَئين ، تہ آئُون آگِرِ ٻوآ هِيان ،

(٢٣)

سُر ساندَاڻِ ڪَرِي ، پُڇِج ڳُهِڙار جو ،
ڪَن هيٺِ ڌري ، مان گَڏ پَنِئِي رُڪَ سين

(٢٤)

سَهين جنءَ سانداڻِ ، ڏَکَنِ مَٿي ڏڪَڙا ،
رَهِ وِجائي پاڻِ ، ڏي ڏَ پائُون ڏُگَرين ،

(٢٥)

هِيءَ پَرِ اَڳارَنِ ، بَنڌاهين ٻَرَنِ جي ،

دوسرا دُھنکتی ہے اُن کو دھونکنی
خود بخود لوہار لاتے ہیں اُنھیں
آگ کا مُنہ پھر دکھاتے ہیں اُنھیں

(۲۶)

وُہ جَلانے پر بُجھاتے ہیں شتاب
اور بُجھاتے پر جَلاتے ہیں شتاب
کیسے لوہاروں سے پالا پڑ گیا
اُن کے جلوؤں نے کیا مجھ کو فنا

(۲۷)

آج پھر سے آئے وہ لوہار ہیں
صاف صیقل گر ہیں جو ہشیار ہیں
خوب دیتے ہیں جلا تلوار کو
تیز کر کے تیغ جوہر دار کو

(۲۸)

آج پھر سے آئے وہ لوہار ہیں
جو کہ دانا ہیں دیانت دار ہیں
زنگ اُتاریں گے نئے اک ڈھنگ سے
چمکے گا فولاد اَپنے رنگ سے

(۲۹)

هِڪُ ڪُوري ڪا نِئيا ، پِيو ڏُوڏي مَنجھِ ڏَٻَنِ ؛

پاٽان لُھارَنِ ، ميڙي رَکيا مُنجھ لَئِي ،

(٢٦)

بارِيو اُجھائين پرين ، اُجھايو بارِينِ

مُون کي ٿا مارِينِ ، لُئا لُھارَنِ جيا ،

(٢٧)

اَڄُ آ بگَڙِ يا آئِيا ، سُوڏا سِرالِئُ ؛

پِيارِي پارِئي ، ٿيغُون ڪَندا تِکيُون ،

(٢٨)

اَڄُ آ بگَڙِ يا آئِيا ، سائُوڪِي سُجاڻَ

لاهيندا مورِ ياڻَ ، رُڪُ ڪَريندا اِيَنَ رو

(٢٩)

دھونکنے والے کھڑے ہیں بے شمار
دھونکنی کو دھونکتے ہیں بار بار
زنگ لوہے کا پگھلتا ہے بہت
اور خود لوہا بھی جلتا ہے بہت
مُنہ ہتھوڑوں نے نکالے بیشتر،
کانپتے ہیں خوب سندانوں کے سَر
ہے وہاں لوہاروں کے سر پر شعاع
شعلۂ جوّالہ پر ہے اجتماع،

(۳۰)

میں نے دیکھے ہیں وہ اطمینان سے
جو کہ واقف کار ہیں سندان سے
اُن کی تلواروں میں ہے ہر دم جِلا
ہے اَثر اُن پر نہ ہرگز زنگ کا

وائی

مرا دل جلانا۔ مرا دل جلانا
مجھے یاس و غم میں نہ ہرگز سُتانا
مرا دل جلانا۔ مرا دل جلانا
مجھے یاد ہیں وہ یہ کہنا ہے اُن سی
جو مرنے جسم مردہ کو زندہ بنانا

ڪَتُ ڪَڙهي ، لوهُ ٻري ، ڏُو ڏا جتِ ڏَڳنِ ،

مُتَرِڪَنِ مُنهنُ ڪَڍِ يا ، ساند اٽيُون سَڪَنِ

اُجُ پُڻُ آڳُرِ يَنِ ، مِٺڙو آهي ميِجَ تي ،

(٣٠)

سَرَ ها ڏ نَمِر سي ، جن سا جياءِ سِرانِ سين

تيغ تَننِ جي ڪِي ، ڪَٽُ نه ڳِيا ڪَڍِ هِمِ

وائي

جِيئُ جِيا رِيو ، جِيئُ جِيا رِيو ، ڪيڏَ مُهجِي وهارِيو ،

مُنهنجو جِيءُ جِيا رِيو ،

پِربِنِ جي پچار ، سيڻَنِ جي سَنيارَ ، جنَ ترُ وعيءُ جيارِيو ،

مِرا دل جلا نا ۔ مِرا دل جلا نا
کنارہ نہیں بحر الفت کا تیرے
میں پیاسا ہوں اسے دوست کچھ تو پلانا
مِرا دل جلا نا ۔ مِرا دل جلا نا
اشارہ سے سارے مرض دور کرکے
مریضوں کو صحت سے خوگر بنانا
مِرا دل جلا نا ۔ مِرا دل جلا نا
کرو پار بحر حوادث سے بیڑا
کرم بخش بنکر کرم کر دکھانا
مِرا دل جلا نا ۔ مِرا دل جلا نا
مِری نظروں سے اپنی نظریں ملاکر
کبھی روئے زیبا نہ مجھ سے چھپانا
مِرا دل جلا نا ۔ مِرا دل جلا نا
جو تیرے سوالی ہیں اُن کو بُلانا
جو بدکارہ ہیں اُن کو مت بھُول جانا
مِرا دل جلا نا ۔ مِرا دل جلا نا

★

منهنجو جيءُ جيارِيو،
اُچيوتنُ عَميقَ مان، پِرِيَنِ لُوڄَ پيارِيو،
مُنهنجو جيءُ جيارِيو
مَرَضُ مَرِيضَنِ تان، اِشارِي سانُ اُتارِيو،
منهنجو جيءُ جيارِيو،
ڪَرَمَ ڪَرِيمَن جي، مون کي اُهُکيَ مان اُڪارِيو
مُنهنجو جيءُ جيارِيو،
سَنوُن مُنهن ڪَري سُپرِين، اُئين نِرمَلَ نُورنِهارِيو،
منهنجو جيءُ جيارِيو،
سائِلَنِ جَنِ سَدَ ڪَري اُئين طالِبَنِ کي تارِيو
منهنجو جيءُ جيارِيو

★

داستانِ چہارم

(۱)

ساغرِ مے ایک ہو، مے خوار دو
عشق میں پیدا نہ کر اس بات کو
گنتی والوں میں ہوا جن کا شمار
کیسے وہ حاصل کریں گے وصلِ یار؟
دب چکے ہیں وہ خودی کے بار سے
جو کہ ہیں محروم وصلِ یار سے

(۲)

ساغرِ مے ایک ہو، مے خوار دو
یہ کبھی زیبا نہ ہوگا عشق کو!
پنجۂ الفت میں جو آکر پھنسے
جاں گسل ہوتے پہ ایک وحدت ہوئے
خنجرِ الفت چمکنے جب لگا
سر دوئی کا دھڑ سے فوراً کٹ گیا

(۳)

ساغرِ مے ایک ہو مے خوار دو
عشق دو حصوں میں پھر تقسیم ہو
سن تو اے شاعر! زبانِ حال سے

داستان چوٿون

(۱)

ايڪ پيالو، بہ جتا، عشق نہ ڪري اِئين

ليکيا جي لکڪ ۾، سي قرب رسند اکئين

هُتي ڪيا هئين، وانجها پس، وصال ڪان

(۲)

ايڪ پيالو، بہ ڄڻا، عشق نہ اِئين ڪري

آهي سي ايڪ ٿيا، جي گتا ٻنهن گوري

ڏوئي ڏار ڏري، خلق خنجر آٿيو!

(۳)

ايڪ پيالو، بہ جڻا، عشق نہ ڪري آڏ

اِي تان ساعر ستن ڪيئي جا قوال سين

یہ توقع رکھ فقط قوال سے

(۴)

قاتلوں کا ہے کروڑوں ہیں شمار
اس طرف اٹھتی ہیں نظریں بار بار
زہر قاتل کے ہیں خواہاں وہ سبھی
جان کی پرواہ جو نہیں کرتے کبھی

(۵)

اس طرف اٹھتی ہیں نظریں بار بار
جس طرف پھرتے ہیں قاتل بے شمار
جرعۂ مے کے برابر بالیقیں!
جان و سر کی کوئی بھی قیمت نہیں

(۶)

اُن کی حکمت دیکھئے قاتل ہیں جو
شہد کر دیتے ہیں فوراً زہر کو
زندگی کر اُن کی صحبت میں بسر
اُن کے ہاں کچھ ساغرِ مے نوش کر

۷

ہے یہی مے بیقراروں کے لئے
کم نہ کر وہ بادہ خواروں کے لئے

(٤)

جيڏ اڏهن قاتل ڪوڙ، اکيون اوڏا ھم ڪٽي

وه تنين جي ووڙ، جنين سانگ نه ساه جو

(٥)

اکيون اوڏا ھم ڪٽي، جيڏ اڏهن قاتل ڪل

مٿو ڪن نه مل، پڪ برابر پيا تھنجو

(٦)

قاتل ڪمائي ڪري، وه ماڪي جيي ڪن

وتان ويھي تن، پڇ ڪي پيا ليون

(٧)

ھندو ھنڌ م سنڌ، لاءِ پيا ڪن پانهنجو،

بعد دمے راہ گیروں کو ملے
سر جھکائے جائیں اٹھ کر بزم سے
تیری ہستی پر کریں وہ جام نوش
قدر بھی اُن کی بڑھے اے مے فروش

(۸)

ہے یہی مے بیقراروں کے لئے
کہ وہ ظاہر بادہ خواروں کے ملے
بھر کے ساغر راہ گیروں کو پلا!
اور اُس کے بعد اُن کو آزما
لاکھ جائیں قطرۂ مے پر نثار
کیونکہ اس میں ہے ترا نقش و نگار

(۹)

جرعہ جرعہ کرکے وہ صد شوق سے
زہر آلودہ پیالے پی چکے!
ساقیا برخیز در دہ جام را
اور بڑھا دے حوصلہ احباب کا
چند گھونٹوں پر نہیں وہ مطمئن
بلکہ مٹکوں پر نظر ہے رات دن

(۱۰)

پُوڄ پيارِڄ پَنهَنڙا، وِينڌا وُ ٽيو ڪنڌِ
نَہ هَتَ تُهنجي هَٿڙ، موکي ڪومانُ لَهي

(۸)

هُنَ وهَنڙ ۾ رَڪُ، لاءِ پِيا ڪَنِ پانھجو
وَرِتي وانا ڙُ ڻِڪي، تان پِيارِي پَرَڪُ،
سالِڪَ لَهي تِي لَڪُ، جا تو ايندِ ي اُنِ سِين

(۹)

گَهَتَن ۾ گُهنڊڪن، وَنِيُون پِيَن وِهُ ڳاڙيُونِ
"بَرخيز بِدِه ساقي!" پِيارِڪي پِر ئِين،
پِڪين نَہ پَرچَنِ، مَٿَ تَڪيا ئُون مَنجهيان

(۱۰)

آج پھر چلنے لگی باد شمال !
مے فروشوں نے دیئے مٹکے اُچھال
مے کی لذّت میں وہ فربہ تن چلے
میکدہ کو سر ہتھیلی پر دھرے

(۱۱)

راہ گیروں پر ہو اُلفت کا اَثر
اُن پہ میخانہ سے کچھ چھڑکا ؤ کر
سب پہ واضح ہو گی یہ شفقت تری
جا بجا ہو جائے گی شہرت تری
صحن میں تیرے وہی آئیں گے اب
جن کو ہے جامِ صبوحی کی طلب

(۱۲)

صحن میں تیرے وہی آئیں گے اَب
ختم ہو گی جن سے یہ مے سَب کی سَب
ہو بگئے ایسی پیاس میں وہ مبتلا
جو کہیں گے "یہ تو پی ہے وہ پلا"

(۱۳)

مے فروش اِحسان کر سکتا نہیں
جس پہ ہے بد اصل ہونے کا یقین

آئِي اُتَرَ واءَ، موکي مَنَ اُپَنيا،

مَٺا راتِنهن ساءَ، آچَنِ سِرَ سَنباهيو

(١١)

وِجهِجِ واٽاڙُ ٿَنِ تي، مَنِخاني جي ماڪَ

ٿيندِي سُڌِ سَپَکَهِمَ هَنَڌِ هَنَڌِ پُونِدي هاڪَ

پِرَهَ جا پِياڪَ، جُهه سِي اَگَهَرِ آئِيا،

(١٢)

جُه سِي اَگَهَرِ آئِيا، تَه سَرو ڪَنِدا سُنجَ

سائِي ٿِيندِ بَنِ اَجَ، هي پِيتو! هوٽِڪِي

(١٣)

موکي چوکي نَه ٿِي، اَصلِ اوچِي ذاتِ

مار ڈالے جس نے صد ہا فربہ تن
ساغروں سے اُن کے چپکا کر دَہن

(۱۴)

مر چکے وُہ فربہ تن تو بالیقیں
مَے فروش! افسوس!! تو مرتا نہیں
وہ کریم النّفس تھے اور دردمند
اب سوا اُن کے ہے کیا تجھ کو پسند؟

(۱۵)

مر چکے وہ فربہ تن تو سب کے سب
مَے فروش! اس واسطے مر تُو بھی اَب
کیونکہ تیری سَختیاں بے اِنتہا
سہہ نہیں سکتا کوئی اُن کے سوا

(۱۶)

خم نے اُن کا بگاڑا ہے نہ ہوش
موت ہے اُن کی عتابِ مے فروش
اُن کے پتّے پہ پڑا اُس کا سخن ،
بعد اُس کے مر گئے سب فربہ تن ؛

(۱۷)

بس دو مٹکے ہیں آوے میں اَبھی

وَ رِنيون ڏِ ڏِينئي وات، مَتارا جنهن مارِيا

(١٤)

مَتارا مَري وِيا، موکي تون نه مَرين!

ڪيهي پَرِ پَرِين، ڏُکي ڏا تارَن ري؟

(١٥)

مَتارا مَري وِيا، موکي تون پِي مَرُ!

تُنهِنجو ڏوسُ ڏ مَرُ، ڪو نه سَهَند وأن ري

(١٦)

سَري ڪِينَ ڪِيون، وڃڻ موکي جي مارِيا
ڪو جو سُمَنُ ڪَلا ڙجو، پِتي لِي پيون،

تِنهان پوءِ ٿِيون، مَرڻ مَتارَن کي،

(١٧)

آجا ڪُو ري ماڳَ، مَتَ ڪُڙڪا، ڪَتَ ڳهَنا،

ساتھ اُن کے ہیں گھڑے ثابت سبھی
رہنے دے فربہ تنوں کی بے خودی
مے فروش اُن سے ہو تیری دوستی

۱۸

مُنہ پہ ساغر سر پہ خنجر آبدار
اُن کا یہ شیوہ ہے بس! لیل و نہار
جرعہ جرعہ میں نشہ پاتے ہیں وہ
جوشِ وحشت میں بدل جاتے ہیں وہ
ہے شراب اُن کیلئے بے اِنتہا
جن کو وجد و حال حاصل ہو چکا

۱۹

مۓ فروش اُن کا نہیں دُشمن بنا
زہر کا اُن پر نہیں غلبہ ہوا
اُن کی اے سیّد وہاں ہے بھیڑ بھاڑ
ہے جہاں پرسے کی تلچھٹ کی پچھاڑ
مے کی باتیں جن کو آئی راس ہیں
اُن کی قبریں بھٹیوں کے پاس ہیں

۲۰

مل کلالوں سے کسی بھی طرح سے

لاهي وِهُ مَ لابَ، موکي مَتارَنِ جا

(١٨)

ڪَنڌِ ڪَنارو، مُنهنِ وَرِي، عادَتَ جَنِنِ اِيَ

تِنِين رِنڪُون ڏِ رِنيوُن، جُنِي مَنجهان جيتَي،

سَرو تَنِ سَپِيَ، جَنِ حاصِل ڪيو حالَ کي

(١٩)

موکي مَنو نه گهُرِيا، وَهَ نه وِها نِيا،

سُرڪيِ ڪارڻِ سَيّدُ چي، اُلِٽي رِتِي آ تِيا

جي گالِڻِ گنگا رِنِيا، تَنِ بِڻِ پاسي سُنيوُن،

(٢٠)

سُرُ ڏِ پِئي سَڀَ جوڙِ، ڪِنهن پِرِ ڪلاڙَنِ سين!

سر کٹا کر ان کو نذرانہ میں دے
خنجر و آرہ چھری فوراً اُٹھا
شوقِ دل سے مغز میں اپنے چبھا
مت دکھا مرنے پہ ہرگز بے رُخی
سر سے ہے قیمت زیادہ جام کی

۲۱

ہر کٹوری کی نئی ہے آب و تاب
مختلف ہے مٹکے مٹکے کی شراب
مے فروش اب عام ہے کیف و سُرور
قدرداں میخوار ہیں تیرے ضرور
تیری ہٹی پر چلے آتے ہیں وہ
سر کٹانے سے نہ گھبراتے ہیں وہ
سر کٹا کر ہوتے ہیں وہ شادماں
مے کی سیدِ لیتے ہیں پھر چسکیاں

۲۲

شوق سے جل شعلہ اُفگاروں کے پاس
کوئلہ بن پھر خریداروں کے پاس
تاکہ بن جائیں وہ تیرے ہم رکاب
جو تجھے دیتے تھے جامِ پُر شراب

ڪانِي ڪَرَتَ ڪيارَ ۾، خَنجو آئِي ڪوڙِ!

مَرُ تا مُنهِنِ مَ موڙِ وَلِي لِڳي وَڍِ لَهِي

٢١

وَٽَ وَٽَ وِٽِيَ ۾، مَٽَ مَٽَ مَنڍُ بِيو

قَدرُ ڪَيفَ ڪَلارَ جو، پِيا ڪَنِ پِيو،

اَڄِنِ ڏُرسُ ڏُڪانَ تِي، ڪَندُ قَبُولُ ڪِيو

سُرها سِرُ ڏِيو، چَکَنِ سُرڪَ سَيَّدُ چِي

٢٢

آئِي تِي آڳَارَ، ڪامِي ڪِردارَنِ سين

پَسين سِي پَيتارَ، پُرِ پِيتُو ءِ جَنِ سين

۲۳

تو نے اے دل پند کیوں حاصل نہ کی
جب کلالوں سے تری صحبت بھی تھی
روتے روتے بھٹیوں پر بے حجاب
کر مقطر رات بھر گاڑھی شراب

۲۴

مے فروشوں نے دیے مٹکے اُنڈیل
صحن پر چھائی سفیدی ریل پیل
آئیں گے اب سر فروش و دلفگار
زہر کے ساغر پئیں گے بار بار

۲۵

مے فروشوں نے دیے مٹکے اُنڈیل
صبح دم مے کی ہوئی جب ریل پیل
عمدہ مے کی سیج بتا عبد اللطیف!
کیا تجھے آئی نہیں بوئے خفیف؟
گرچہ کڑوی ہے گلوہ[1] اے ذی نسب
پھر بھی کر مر کے عوض ساغر طلب

۲۶

پھر بھی کر سر کے عوض ساغر طلب

---

[1] سندھ کی مخصوص شراب

۲۳

ڪَلاڙِ نِتُون ڪاءِ، مَتِ نہ سِگهين مُون مِيان!

رُندي راتِ وِهاءِ، چِڪا ئِيندي ٻِتِيُون

۲۴

موکي مَتَ اُپٽيا، آچيا آگُنگهه ذارَ

اِبندا نو درِ بار، وِهُ پِيندا وَتِيُون

۲۵

موکي مَتَ اُپٽيا، سويرا صُبُوحِ

اُهي جي عَبْدُالّطِيفُ چي، بامَ نہ پُهتيُ بُوءِ؟

ڪَڙو جي ڪَڪُوهِ، تہ بہ وَتَ سِرَگهرَنِ وَتِيُون،

۲۶

وَتِ سِرَگهرَنِ وَتِيُون دَرِ سِرِ ڏُجَنو،

جھوم کوئے یار میں اے ذی نسب
عمدہ سے عبداللطیف اہلِ خمار
مانگتے ہیں جامِ زائد بار بار
چند گھونٹوں پر کبھی راضی نہیں
اُن کو ہے مٹکوں پہ مرنے کا یقیں

کافی

وہ دوست در پہ آگیا
مِلاپ کا ہے آسرا
رہے نہ دن فراق کے
خدا نے اَب ملا دیا !!
ملاپ کا ہے آسرا
رہا نہ ہجر وصل ہے
کرم ہے ذوالجلال کا
مِلاپ کا ہے آسرا
پتہ تھا جس کا دُور دُور
قریب آکے وُہ مِلا
مِلاپ کا ہے آسرا
لطیف پر ہے خود بخود !
حبیب نے کرم کیا
ملاپ کا ہے آسرا

اُچي جي عَبدُ اللّطِيفُ چيو، وَليُ وَڏِ گُهرَن

پِڪين نَه پرِچَنِ، مَتَ تَڪِيا ٿُون مُنجهِيا ن

وائي

دوسُ پِرِهي دَر آيئو، ٿِيو مِلَڻَ جو ساعيو،
ڏِ سِهڻِ پَرجَا ڏُون آئي اسان کي، مولي مُحِبُ مِلائِيو
ٿِيو مِلَڻَ جو ساعِيو!

وِيو وِڇوڙو ٿِيو ميلُ پِرِيو، واحِدَ واءُ وَرائِيو،
ٿِيو مِلَڻَ جو ساعِيو!

هو جنهِين جو ڏَسُ ڏُورا ڏُو، اوڏو اچ سوَائيو
ٿِيو مِلَڻَ جو ساعِيو!

عَبْدُ اللّطِيفُ چَئي اُچي عَجِيبَنِ پاڻُ فَضلُ فرمائِيو
ٿِيو مَلَڻَ جو ساعِيو!

کتاب کے صفحات کی تفصیل

سوانح عمری ــــــــــ ۹۶ صفحات

دیوان ــــــــــ ۱۳۶ صفحات

کل ۲۳۲ صفحات

☆

Price 2-0-0

Only Cover Printed in Standard P. Works, Hyderabad Sind,